باسمہ تعالیٰ

کاروانِ حیات

جدید ایڈیشن اضافہ شدہ

طلبہ علومِ دین اور دعوت و تبلیغ کا کام کرنیوالوں کیلئے

ایمان افروز تذکرے

تالیف

حضرت مولانا محمد عبد الرحمن صاحب مظاہری

اُستاذ حدیث و تفسیر و ناظم (اول) مجلس علمیہ حیدر آباد

خلیفہ مجاز حضرت محی السنہ مولانا الشاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم

ناشر:-

ربانی بُک ڈپو کٹرہ شیخ چاند لال کنواں دہلی ۶

باسمہٖ تعالیٰ

کاروانِ حیات

حِصّہ اوّل

طلبہ علوم دین اور دعوت وتبلیغ کا کام کرنیوالوں کیلئے

ایک ایمان افروز تذکرہ

تالیف:-

مولانا محمد عبد الرحمن صاحب

استاذ حدیث وتفسیر وناظم (اوّل) مجلسِ علمیہ حیدرآباد

خلیفہ مجاز حضرت محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب مدظلہ العالی

ناشر:-

ربانی بک ڈپو کٹرہ شیخ چاند لال کنواں دہلی

۱:- نام کتاب :— کاروانِ حیات جلد اوّل

۲:- مؤلّف :— حضرت مولانا محمد عبدالرحمٰن صاحب حیدر آبادی

۳:- کتابت :— نیاز الدّین اصلاحی

۴:- مصحّح :— مولانا مفتی محمد امین صاحب پالنپوری استاذ دارالعلوم دیوبند

۵:- طباعت :— ربّانی آفسیٹ پریس

۶:- باہتمام :— ربّانی برادران

۷:- سن اشاعت :— جولائی ۱۹۹۹ء

۸:- تعداد :— ایک ہزار ایک سو

۹:- قیمت :—

ناشر :-

ربانی بک ڈپو کٹرہ شیخ چاند لال کنواں دہلی ۶

فون نمبر :- ۳۲۱۰۱۱۸ — ۳۲۱۷۸۴۰ -

فہرست مضامین

مولٰنا محمد عبد الرحمن صاحب مولف کتاب ہٰذا کا خصوصی عربی تعارف جو ایک موقع پر مولٰنا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہٗ سے مکۃ المکرمہ میں حاصل کیا گیا تھا۔ ترجمہ درج ذیل ہے۔

ابوالحسن علي الحسني الندوي

بعد حمد وصلوٰۃ :-

مولٰنا محمد عبد الرحمن بن احمد شریف صاحب حیدرآبادی سے میں بخوبی واقف ہوں، مولٰنا علوم دینی واسلامی کے فاضل ہیں، جنوبی ہند کے دینی وعلمی حلقوں میں آپ کی بیش بہا خدمات رہی ہیں، مولٰنا نے ہندوستان کے مختلف علمی اداروں سے استفادہ کیا ہے آخر میں مدرسہ مظاہر علوم ضلع سہارن پور (یوپی) سے علوم دینیہ کی تکمیل کی اور اصولِ دین وعلم شریعت میں اعلیٰ سندیں حاصل کیں، تحصیل علم کے بعد جامعہ نظامیہ حیدرآباد میں تقریباً پندرہ سال درس وتدریس کی خدمات انجام دی ہیں۔ اسکے علاوہ مولٰنا موصوف نے عامۃ المسلمین کی تعلیم وتربیت کی جانب بھی خصوصی توجہ دی، اس سلسلے میں اہلِ علم حضرات کیلئے "مجلس علمیہ" کی تأسیس کی جسکا دینی وعلمی حلقوں میں اثر رہا ہے۔

چونکہ مولٰنا توحید وسنّت کے داعی وعلمبردار تھے اپنے شہر میں اہلِ بدعت کی مخالفتوں سے دوچار ہوگئے، اِسی سال موصوف نے فریضۂ حج ادا کیا اور اِنکی خواہش ہے کہ کچھ عرصہ انہی مقاماتِ مقدسہ میں رہ کر علمی ودینی خدمت انجام دیں چنانچہ انہیں اِس مقصد کے حصول کیلئے تعاون کی ضرورت ہے، مجھے اِس بات سے خوشی ہوگی کہ مولٰنا کے مقصد کی تکمیل ہو، اِس بارے میں جو بھی اِن کے ساتھ معاونت کریں میں اُن کا شکرگذار رہونگا،

والسلام

کتبہٗ الفقیر الی اللہ

ابوالحسن علی الحسنی الندوی

مکۃ المکرمہ

۲/صفر ۱۳۹۸ھ

حرفِ آغاز!

"کاروانِ حیات" مروجہ طریقے پر میری سوانح حیات نہیں ہے، بلکہ یہ ایک ایمان افروز تذکرہ ہے جو علم دین کی تحصیل میں مجھکو پیش آیا، بزرگوں نے سچ کہا ہے۔ لِکُلِّ شَیْئٍ اٰفَۃٌ وَ لِلْعِلْمِ اٰفَاتٌ۔
دنیا کی ہر چیز میں ایک نہ ایک آفت ہے لیکن تحصیلِ علم میں آفات ہیں ایک بزرگ کہتے ہیں، جب تک اپنے آپ کو پورے طور پر علم کے حوالے نہیں کیا جاتا علم اپنا جز بھی نہیں دیتا۔
کہنے والے کی اللہ مغفرت فرمائے ایسا معلوم ہوتا ہے اس نے یہ نصیحت میرے لئے کی ہے۔ میری تعلیمی وتبلیغی زندگی انہی آزمائشوں اور امتحانوں کا عنوان رہی ہے۔
ہمارے اسلاف کرام نے تحصیلِ علم میں جو مشقتیں اور مصائب برداشت کئے ہیں وہ ہماری تاریخ کا ایک مستقل باب ہیں۔ وطن سے بے وطن ہوئے گھر سے بے گھر ہوئے۔ دربدر پھرے، راحت وآرام کو قربان کیا، گرمی سردی بھوک پیاس برداشت کی، ضرورتوں اور تقاضوں کو دبایا اور وہ سب کچھ اختیار کیا جو تحصیلِ علم کے لئے ضروری تھا۔ اس کے صلہ میں انھیں صرف علم نہیں علمی خزائن ملے۔ قاضی ابوجعفر نسفیؒ قرنِ اوّل کے اہلِ علم وفضل میں شمار کئے جاتے ہیں۔ ایک رات کسی فقہی مسئلے میں غور کر رہے تھے۔ قلب پر علوم کا فیضان

جاری ہوا، کتاب رکھ دی اور کھڑے ہو کر رقص کرنے لگے اور زبان پر یہ کلمات تھے۔

أَيْنَ الْمُلُوْكُ وَ أَبْنَآءُ الْمُلُوْك
أَيْنَ الْمُلُوْكُ وَ أَبْنَآءُ الْمُلُوْك

کہاں ہیں بادشاہ، کہاں ہیں شہزادے۔

اولاد کی کثرت، مال ومتاع کی قلّت زندگی بھر رہی تمام عمر زہد وقناعت اور خودداری میں بسر کی، کسی نے بھی تنگیٔ معاش کا اظہار تک نہیں کیا ۱۴۱۴ھ میں وفات پائی۔

شمس الائمہ علّامہ سرخسیؒ نے ملکِ خاقان کو کسی مسئلے میں نصیحت کی تھی بادشاہ ناراض ہوا اور انھیں قید کرکے عرصۂ دراز تک اندھیری کوٹھری میں بند رکھا لیکن علامہ سرخسیؒ نے اپنے شاگردوں کو اسی اندھیری کوٹھری سے اپنی شہرۂ آفاق کتاب "المبسُوط" جس کی پندرہ ضخیم جلدیں ہیں زبانی تحریر کروا دیا ۴۳۸ھ میں وفات پائی (الفوائد البہیہ)

ماضی قریب میں مولانا مملوک علی صاحبؒ جو علماء دیوبند وسہارن پور کے سرخیل اور استاذ الکل کی حیثیت رکھتے ہیں خود اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ جس زمانے میں وہ شہر دہلی میں پڑھا کرتے تھے۔ غربت وافلاس کا یہ حال تھا کہ کئی کئی دن فاقہ میں گذر جاتے، پانی اور جنگلی درخت کے پھلوں پر گزارہ کر لیتا تھا۔ حالانکہ یہ وہ زمانہ تھا کہ دہلی میں صرف دو پیسوں کے عوض پیٹ بھر روٹی کھائی جاسکتی تھی۔ لیکن یہ حیثیت بھی میسّر نہ تھی۔

شاہراہ عام کی سرکاری روشنی میں رات دیر تک مطالعہ کر لیتا اور اپنے ٹھکانے آجاتا۔ (ارواحِ ثلاثہ) یہ اور اس قسم کے سینکڑوں واقعات ہیں جو تحصیلِ علم کے سلسلہ میں طالب علموں کو پیش آئے ہیں۔

پھر ایک بار حکیم دانا کا قول دُہرا لیجئے۔

"علم اپنا جزء بھی نہیں دیتا جب تک اپنے کل کو اس کے حوالے نہ کیا جائے" محض شوق تمنّا اور آرزوؤں سے یہ دولت نہیں ملی، سیّدنا علیؓ اپنے شاگردوں کو یہ عظیم نکتہ تفہیم کرتے ہیں۔

لَوْ كَانَ هٰذَا الْعِلْمُ يُدْرَكُ بِالْمُنٰى - مَا كَانَ يَبْقٰى فِي الْبَرِيَّةِ جَاهِلٌ فَاجْهَدْ وَلَا تَكْسَلْ وَلَا تَكُ غَافِلًا - فَنَدَامَةُ الْعُقْبٰى لِمَنْ يَتَكَاسَلُ۔

اگر علم دین صرف خواہشات اور تمنّاؤں سے حاصل ہو جاتا تو روئے زمین پر کوئی بھی جاہل نہیں رہتا لہٰذا تم جدوجہد کرو سستی اور غفلت سے بچو، انجام کی ناکامی سستی وغفلت کا نتیجہ ہوا کرتی ہے۔ جوئندہ یابندہ فارسی زبان کا عام محاورہ ہے تلاش کرنے والوں کو حقیقت مل ہی جاتی ہے۔ میں نے اپنی زندگی کو انہی نقوش میں بسر ہوتے دیکھا ہے۔

بزرگوں اور دوستوں کی خواہش کے احترام میں اپنی کاروانِ حیات کو تین حصّوں میں ترتیب دی ہے۔

پہلا حصّہ :۔ دورِ تعلیمی کا ہے جو اس وقت آپ کے زیرِ مطالعہ ہے۔ اس میں تحصیلِ علم کی روئیداد کو جمع کیا ہے۔

دوسرا حصّہ :۔ دورِ تدریسی کا ہے جو کم وبیش پندرہ سال کی خدماتِ درس و تدریس پر مشتمل ہے۔

تیسرا حصّہ :۔ دورِ تبلیغی کا ہے جس میں کھلے عام دین کی دعوت و تبلیغ اور اس کی نشر و اشاعت کی تفصیلات جمع کی گئیں ہیں۔

ایک ضعیف و محتاج انسان کی محدود زندگی اس سے زیادہ اور کیا طویل و

عریض ہو سکتی ہے یہی اس کا آغاز یہی اس کا انجام۔

بس اتنی سی حقیقت ہے فریبِ خاکِ ہستی کی
کہ آنکھیں بند ہوں اور آدمی افسانہ ہو جائے

اس عاجز بندے نے کَلِمَۃً بَاقِیَۃً کے طور پر اپنی "کاروانِ حیات" قلم بند کی ہے۔ خطا و لغزش، سہو و نسیان کی معافی کا اپنے ربّ غفور سے امیدوار ہوں، ناظرین کرام سے دُعائے حسنِ خاتمہ کی درخواست کے ساتھ،

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ
وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ

خادم الکتاب والسنّۃ
عبدالرحمٰن غفرلہٗ

اختتام "مقام ابراہیم" (خانۂ کعبہ)
مکّۃ المکرّمہ
۲۰ صفر المظفر ۱۴۱۳ھ مطابق ۱۷ اگست ۱۹۹۲ء
دوشنبہ بعد نماز مغرب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کاروانِ حیات

اپنا خاندانی تعارف

میری جائے پیدائش شہر حیدرآباد (دکن) کے قدیم محلہ یاقوت پورہ اپنی ننیال ہے سن ولادت کسی مستند یادداشت کے تحت حاصل نہ ہوسکا البتہ قدیم حیدرآباد کے رسم ورواج کے تحت یوم ولادت کے چار سال، چار ماہ، چار دن، چار گھڑی (آٹھ ساعت شب) بچے کی گل پوشی و تسمیہ خوانی کی رسم ادا کی جاتی تھی۔

قدیم کاغذات میں میری تسمیہ خوانی کے مطبوعہ دعوت نامے پر تاریخ تسمیہ خوانی چہارشنبہ ۱۶ رجب ۱۳۵۶ھ درج ہے۔

اس لحاظ سے میرا سن ولادت ۱۲ ربیع الاول ۱۳۵۲ھ قرار پاتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

میرے والد بزرگوار جناب احمد شریف صاحب مرحوم) شہر حیدرآباد کے متوسط گھرانے کے اکلوتے فرزند تھے۔ نظام حیدرآباد کے دور حکومت میں تحصیل شرقی (صرف خاص مبارک) صیغہ ہراج کے ذمہ دار تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اولاد سے بھی گود بھر دی تھی۔ دس لڑکے چار لڑکیاں۔ (ان سطور کی تحریر کے وقت ۱۴۱۲ھ م ۱۹۹۲ء سات لڑکے اور تین لڑکیاں بقید حیات ہیں) سب سے بڑے صاحبزادے

لطیف شریف مرحوم دکن کے شعراء میں لطیف ساجد کے نام سے مشہور و معروف رہے ہیں اُردو شاعری میں بڑا مقام پایا۔
راقم الحروف لڑکوں میں پانچویں نمبر پر ہے سلسلۂ نسب صرف اسی حد تک معلوم ہو سکا۔
محمد عبدالرحمٰن بن احمد شریف بن رحمٰن شریف بن عبدالقادر
جدّاعلیٰ عبدالقادر صاحب مرحوم مضافات دکن میں زمیندار تھے۔ میں اپنے دادا رحمٰن شریف صاحب کی وفات کے چند ماہ بعد پیدا ہوا تھا اس نسبت سے اہل خاندان نے میرا نام رحمٰن شریف تجویز کیا جو بعد میں متروک ہو گیا۔ جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔
عمر کے پانچویں سال اسکول میں داخل کیا گیا۔ ساتویں کلاس پاس کیا تھا۔ کہ ستمبر ۱۹۴۸ء حیدرآباد پر انڈین یونین کا حملہ ہوا۔ اور یہ چھوٹی اسلامی ریاست جس کے آخری تاجدار نظام سابع نواب میر عثمان علی خان بہادر اقتدار سے بے دخل کر دئے گئے اس طرح ساتویں نظام پر خاندانِ آصفجاہی کا دو سو سالہ اقتدار ختم ہو گیا۔
اس حادثے نے مسلمانانِ دکن کی بساط ہی اُلٹ دی، اس افراتفری میں میرا تعلیمی سلسلہ بھی منقطع ہو گیا والد صاحب مرحوم نے تجارتی سلسلے میں منسلک کر دیا۔

آغازِ زندگی

مجھ کو بچپن ہی سے دینی و اسلامی ذوق نصیب تھا نمازوں کی پابندی، دینی مجالس میں شرکت، اور چونکہ شہر کا عام معاشرہ بدعات و رسومات میں گھرا ہوا تھا میں بھی ذوق و شوق سے ایسی رسومات میں حصّہ لیا کرتا تھا بلکہ اپنے ہم عمروں میں اس حیثیت سے ممتاز بھی سمجھا جاتا تھا۔

بہر حال تجارتی لین دین سے اجنبیت اور بے چینی محسوس کرتا رہا اور کسی گم شدہ حقیقت کی تلاش میں تھا۔ انہی دنوں علم دین کی طلب پیدا ہوئی تلاشِ حق میں شہر کے ایک گم نام بزرگ مولانا میر امام الدین صاحبؒ سے وابستہ ہو گیا یہی وہ بزرگ ہیں جنہوں نے بعد میں دل کی شمعِ حق کو روشن کیا، موصوف سے مسلسل وابستگی نے صراطِ مستقیم پر لا کھڑا کر دیا، پھر کیا تھا تحصیل علم کا داعیہ اُبل پڑا۔

آغازِ تعلیم

انہی بزرگ کی رہنمائی سے محرم ۱۳۶۹ھ مطابق ۱۹۴۹ء مخفی طور پر گھر سے راہِ فرار اختیار کی اور شمالی ہند کے ضلع ہردوئی پہنچا جہاں حضرت تھانویؒ کے خلیفہ ارشد اور مدارسِ دعوۃ الحق کے بانی و ناظمِ اعلیٰ حضرت مولانا ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم کا مرکزی مدرسہ اشرف المدارس تھا داخلہ لے لیا۔

اسی مدرسہ میں حضرت ناظم صاحب مدظلہ نے میرا دوسرا نام محمد عبدالرحمٰن تجویز کیا جو بعد میں اسی نام سے پکارا گیا اور خاندانی نام متروک ہو گیا۔

میری زندگی کا یہ پہلا سفر تھا جو نہایت ناموافق حالات میں تحصیلِ علم کیلئے اختیار کیا گیا۔ لیکن اس وقت تک علمِ دین کا تصور صرف اسی حد تک تھا کہ قرآن مجید حفظ کر لیا جائے وبس۔ چنانچہ مدرسہ اشرف المدارس میں حفظِ کلام پاک شروع کر دیا گیا۔ سات یوم بھی ختم نہ ہونے پائے تھے کہ ایک پارہ حفظ ہو گیا۔ اساتذہ میں حضرت قاری صاحب نے ناظمِ اعلیٰ کو ہفتہ وار تعلیمی رپورٹ میں اس نووارد طالب علم کے درخشاں مستقبل کی خوشخبری دی اور یہ توقع ظاہر کی کہ انشاء اللہ ایک سال میں حفظِ قرآن مکمل ہو جائے گا۔ لیکن تقدیر کے فیصلے بہر حال نافذ ہو کر رہتے ہیں اہل خاندان کی بعض غلط فہمیوں کی بنیاد پر آٹھویں ہی دن میرے والد بزرگوار حیدرآباد سے ضلع ہردوئی (یو۔پی) پہنچے اور پولس کارروائی کے

ذریعہ حیدرآباد لے آئے۔

میرا یہ حادثہ مدرسہ اشرف المدارس ضلع ہردوئی کی تاریخ کا عجیب و غریب واقعہ تھا جو علمِ دین کی طلب و جستجو میں ایک غریب الوطن کو پیش آیا۔ تفصیل بڑی دل گداز اور سبق آموز بھی ہے ناظمِ اعلیٰ مولٰنا ابرارالحق صاحب دامت برکاتہم سے یہ سنا گیا کہ حضرت موصوف نے بیرون ہند کے بعض اسفار میں دینی مدارس کے بچوں میں تحصیل علم کی طلب و جستجو کے ضمن میں حیدرآباد کے اس کم سن طالب علم کا یہ واقعہ بارہا بیان کیا ہے مدرسہ اشرف المدارس سے یہ جبر و اکراہ نکالے جانے کا یہ واقعہ علم دین حاصل کرنے والے طلبہ کے لئے یقیناً ایک درس کی حیثیت رکھتا ہے۔

میرا پہلا سفر

مجھکو تحصیل علم کے لئے باہر جانیکی جستجو اپنے محلّہ کے اُن دو لڑکوں سے پیدا ہوئی جو اشرف المدارس (ہردوئی) میں زیر تعلیم تھے اور جو ہر سال سالانہ چھٹی گذارنے اپنے گھر آیا کرتے تھے یہ دونوں لڑکے ایک صاحب نقوی بزرگ حضرت محمد امام صاحبؒ کے فرزند حافظ عبدالمعز اور حافظ عبدالعزیز تھے یہ جب اپنے وطن آتے تو مدرسہ کے حالات بیان کرتے اور اپنی تعلیمی مصروفیت کا ذکر کرتے ان کی اسلامی زندگی اور اخلاق و عادات اور مدرسہ کے حالات دل کو بے قرار کر دیا کرتے تھے۔ لیکن سفر کے اسباب کچھ نہ تھے۔ انہی دنوں شہر کے متذکرہ بزرگ حضرت مولانا میر امام الدین صاحبؒ کے یہاں آمدورفت کا آغاز ہو چکا تھا حضرت موصوف کی تعلیم و تربیت نے اس کٹھن راہ کو آسان بنا دیا حضرت ممدوح نے تحصیلِ علم کے لئے مدرسہ اشرف المدارس (ضلع ہردوئی یو۔پی) کا انتخاب فرمایا اور

ھ موجودہ ناظم مجلس علمیہ حیدرآباد و رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند

مصارفِ سفر کا جملہ انتظام بھی۔

حضرت ممدوح کی اہلیہ مرحومہ کا احسان بھی خوب یاد ہے موصوفہ نے اپنے ہاتھوں کپڑوں کے چھ جوڑے از خود تیار کر کے صندوق میں رکھ دئے پھر فرمانے لگیں بیٹا فی الحال اتنے کپڑے ایک سال کے لئے کافی ہیں انشاء اللہ دوبارہ انتظام کر دیا جائے گا۔

اَللّٰھُمَّ تَقَبَّلْ حَسَنَاتِہَا وَأَلْبِسْہَا لِبَاسَ الْجَنَّۃِ

چوری چھپے اپنے گھر سے بستر وغیرہ کا انتظام کر لیا سفر کی تاریخ قریب آگئی لیکن ان دنوں خاندان میں میرے کسی بھی وقت بے علم و اطلاع فرار ہونے کی افواہ پھیل گئی تھی۔ جس سے ایک طرح کی نگرانی قائم ہو گئی یہ زمانہ حیدرآباد پر پولس ایکشن کے مختصر عرصہ بعد ہی کا ہے مسلمانوں میں افراتفری کا دَور دَورہ تھا حکومت کا نظام بدل رہا تھا عام طور پر مسلمان پاکستان کی جانب ہجرت کر رہے تھے والد مرحوم نے ہم سب بھائیوں کو سرکاری اسکول سے نکال کر تجارت میں لگا دیا لیکن میری فطرت اس جانب قطعاً مائل نہ تھی۔ ہمت کر کے اپنے والد مرحوم سے عرض کیا مجھکو تجارت سے کوئی دلچسپی نہیں ہو رہی ہے اور میرا دل تنگ ہوتا جا رہا ہے۔ براہِ کرم تحصیلِ علم کے لئے ہندوستان کے کسی دینی مدرسہ میں شریک کروا دیا جائے

یہی بات اپنے بڑے بھائیوں سے بھی کہی لیکن سب کا یہی جواب تھا کہ تم ابھی بچے ہو مستقبل کے حالات کا تمہیں اندازہ نہیں آصفجاہی حکومت ختم ہو چکی ہے آئندہ مسلمانوں پر کیا حالات آنے والے ہیں وہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ علم دین حاصل کر کے تم اپنے مستقبل کو کیسے خوشگوار بنا سکتے ہو جب کہ مسلمانوں کو سرکاری ملازمتوں سے نکالا جا رہا ہے۔ علم دین کی سند پر تم کو کون ملازمت

دے گا؟ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔

بہر حال میری گذارش صدا بصحرا ثابت ہوئی اور اہلِ خاندان قطعاً راضی نہ ہوئے۔

ایک کھلی تائید

سفر کی طے شدہ تاریخ ۲ محرم ۱۳۶۹ھ م ۱۹۵۰ء آپہنچی چوری چھپے ملک پیٹ ریلوے اسٹیشن سے سکندرآباد پہنچا دہلی کی گاڑی میں سوار ہوا اس موقعہ پر ایک عجیب و غریب واقعہ پیش آیا۔ ریل گاڑی روانہ ہونے میں چند ہی منٹ باقی تھے کہ میرے ایک بھائی میری تلاش میں ڈبے کے قریب آگئے۔ میں یکدم سکتے میں آگیا اور میرا بدن بوجھل سا ہوگیا اور میں چھپنے یا فرار ہونے کی طاقت کھو بیٹھا اس موقعہ پر تائیدِ الٰہی کا ظاہری آنکھوں سے مشاہدہ ہوا۔ بھائی صاحب سامنے ہی سے نظر دوڑاتے گزر گئے۔ پر میں دکھائی نہ دیا۔ گذرنے کے بعد میں فوری اٹھا اور ریل گاڑی کے حمام خانہ میں چھپ گیا۔ کچھ ہی دیر بعد ریل چل پڑی تو اطمینان ہوگیا کہ میں محفوظ ہوچکا ہوں اپنی سیٹ پر آبیٹھا۔

محلہ ملک پیٹ سے چلتے وقت حضرت میر امام الدین صاحبؒ سے میں نے یہ اندیشہ ظاہر کیا تھا کہ حضرت خاندان میں میرے کسی بھی وقت فرار ہونے کی اطلاع عام ہوچکی ہے۔ کہیں میں پکڑا نہ جاؤں؟ فرمایا اللہ کی حفاظت شاملِ حال ہے انشاء اللہ سفر خیر کے ساتھ پورا ہوگا۔

چنانچہ ایسے ہی ہوا زندگی کا یہ پہلا سفر تھا اور وہ بھی دُور دَراز مقام کا اللہ تعالیٰ نے خیر کے ساتھ منزلِ مقصود تک پہنچا دیا۔

مدرسہ اشرف المدارس (ضلع ہردوئی) میں داخل ہوتے ہی ایسا محسوس ہوا کہ میں اپنے گھر پہنچ گیا ہوں۔ پہلا دن تو آرام کیا۔ دوسرے دن حضرت ناظم صاحب

نے دریافت کیا، کیا پڑھنا چاہتے ہو؟ میں نے کہا قرآن حفظ کرنا چاہتا ہوں جیساکہ میں نے پہلے بھی عرض کیا ہے اس وقت تک علم دین کا صرف یہی تصور تھا کہ حافظِ قرآن ہو جائیں وبس

کچھ غور کے بعد حضرت ناظم صاحب نے بھی یہی مناسب سمجھا اور حفظِ قرآن کی جماعت میں بٹھا دیا گیا۔ دوشنبہ (پیر کا دن) داخلِ مدرسہ ہوا تھا دوسرے دوشنبہ تک پہلا پارہ حفظ ہو چکا۔

مدرسہ سے اخراج آٹھویں دن اجتماعی طور پر جیساکہ مدرسہ کا نظام تھا درسگاہ سے صف بندی کے ساتھ باہر نکل رہا تھا۔ مدرسہ کے صحن میں اپنے والد صاحب کو کھڑے دیکھا تو قدم زمین سے اُٹھ نہ سکے ساکت کھڑا ہو گیا یقین نہیں آتا تھا کہ یہ میرے والد محترم ہیں۔ شکل وصورت تو والد مرحوم ہی کی تھی۔ لیکن لباس انگریزی تھا جو زندگی میں کبھی بھی استعمال نہیں کیا اس لئے اشتباہ پیدا ہوا۔

بس کیا تھا تیزی سے آکر مجھکو پکڑ لیا اور غضب آلود نگاہوں سے دیکھنے لگے میں نے بھاگنے کی کوشش کی تو شامت آگئی اپنے ہاتھ کی پتلی بید سے پیٹنا شروع کر دیا۔ اور کہتے جاتے کہ تجھ کو حیدرآباد چلنا پڑے گا۔ تو کس کی اجازت سے یہاں آیا؟ پٹائی خوب جاری تھی بعض طلبہ نے دوڑ کر حضرت ناظم صاحب کو اس حادثہ کی اطلاع دی حضرت ناظم صاحب نے آدمی بھیجے اور والد صاحب کو اپنے یہاں طلب کیا اور صورتِ حال دریافت فرمائی والد صاحب نے پہلے تو اپنا تعارف کروایا پھر نان اِسٹاپ بولنا شروع کیا کہ آپ نے ماں باپ کی اجازت کے بغیر بچے کو کیسے داخلہ دیا؟ اور کیسے طلب کیا؟ کیا آپ نے اس کو یتیم سمجھا؟ کیا آپ کو ماں و باپ سے بھی زیادہ خیر خواہی حاصل ہے وغیرہ وغیرہ۔

میرا محتاط اندازہ تو یہ ہے کہ اس طرز کی گفتگو پون گھنٹے سے زائد ہی رہی اور پھر لب و لہجہ بھی کچھ ایسا تیز و تلخ تھا جس کو عام طور پر برداشت بھی نہ کیا جاتا ہو۔

ایک اخلاقی کرامت

لیکن اس موقعہ پر ایک اخلاقی کرامت کا ظہور ہوا حضرت ناظم صاحب سراپا ضبط و تحمل، خندہ پیشانی سے سماعت کر رہے تھے چہرے پر کسی بھی تغیر کا نام و نشان نہ تھا۔ آخر وقت تک چہرے پر مسکراہٹ ہی نظر آتی رہی۔ مجھے خوب یاد ہے حضرت ناظم صاحب بار بار یہی فرماتے تھے آپ اپنے لڑکے کو لیجائیں ہم نے نہ انھیں طلب کیا ہے اور نہ ہم زبردستی اس کو باہر کریں گے یہ خود جانے کا فیصلہ کرے انھیں پورا اختیار ہے والد صاحب کا شدید تقاضہ یہی تھا کہ اس کو مدرسہ کے احاطے سے باہر کردیا جائے پھر میں اس کو دیکھ لوں گا۔ لیکن میں ایک سکنڈ کے لئے بھی باہر ہونا نہیں چاہتا تھا۔ اور والد صاحب کے ہر سوال کا جواب دیتا رہا اپنی زندگی میں والد مرحوم کو دُو بدو جواب دینے کا یہ پہلا اور آخری حادثہ تھا جو مجھ سے اس وقت سرزد ہوگیا۔ اللہ مجھے معاف کرے۔ اور والد مرحوم کی مغفرت فرمائے۔

دو گھنٹے کی اس طویل کشمکش کے بعد والد صاحب یہ کہتے ہوئے مدرسہ سے باہر چلے گئے کہ تجھ کو بہر صورت حیدرآباد چلنا ہوگا۔ خواہ زندہ حالت میں یا مُردہ حالت میں۔

والد صاحب کے باہر چلے جانے کے بعد مدرسہ کا صدر دروازہ بند کردیا گیا۔ اور میں مطمئن ہوگیا کہ معاملہ رفع دفع ہوگیا۔ لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ یہ ایک بڑے طوفان کی پیش بندی تھی۔ نصف یوم گزر چکا تھا۔ حضرت ناظم صاحب نے دوپہر کے کھانے کیلئے مجھکو اپنے دسترخوان پر طلب فرمایا نہایت شفقت و عنایت سے کھلایا پلایا پھر ارشاد فرمایا اب آرام کرو میں چونکہ بُری طرح تھکا ہوا تھا اور پھر

پٹائی بھی خوب ہوئی تھی عصر تک سوتا رہا۔ بعد عصر دلجوئی کے لئے کھیل کبڈی کا انتظام کیا گیا اور اساتذہ حضرات نے بھی اس کھیل میں حصّہ لیا، بعد مغرب حسب نظام مدرسہ کے احاطے میں طلبہ اپنی اپنی تعلیمی مصروفیت میں مشغول ہوگئے میں بھی حفظِ قرآن کی مشق کر رہا تھا اچانک ایک طالب علم آئے۔ اور حضرت ناظم صاحب کا یہ پیام پہنچایا کہ فوری طور پر اپنے کمرے میں چلے جائیں میں نے تعمیل کی لیکن اس کی کوئی وجہ سمجھ میں نہ آئی، چند ہی لمحات کے بعد دیکھا کہ ایک بڑا ہجوم مدرسہ میں داخل ہو رہا ہے اور آگے آگے چند پولیس والے بھی ہیں یہ ایک وحشت ناک حالت تھی۔ میں اپنے تحفظ کی فکر ہی میں تھا کہ پولس والے کمرے میں آگئے ہاتھوں میں چوروں کو باندھنے والی رسّی تھی والد صاحب بھی موجود ہیں اس اچانک اور غیر متوقع صورتِ حال سے میں بیحد گھبرا گیا اور ایک سکتہ سا چھا گیا۔ ایک پولس والا آگے بڑھا اور مجھکو مدرسہ کے احاطے میں لے آیا۔ اسوقت مدرسہ کا احاطہ مقامی لوگوں سے بھرا ہوا تھا اور لوگ مجھکو دیکھنے کے لئے ٹوٹ پڑ رہے تھے۔

زُبان بندی

ایک پُولس آفیسر میرے قریب آیا اور محبت سے پوچھنے لگا بیٹا تمہارا کیا نام ہے؟ اور تم کو یہاں کس نے طلب کیا ہے؟ والد صاحب مرحوم کی جانب اشارہ کر کے پوچھنے لگا یہ تمہارے کون ہوتے ہیں؟ کیا تم اِن کے ساتھ جانا چاہتے ہو؟

بار بار یہی کلمات دُہرا رہا تھا اور میں پورے ہوش و حواس میں تھا لیکن زُبان اتنی بوجھل ہوگئی کہ ارادہ کرنے کے باوجود حرکت میں نہ آئی اور میں ایک لفظ بھی نو زبان سے نکال نہ سکا پتھر کی طرح ساکت ہوگیا۔ اور وہ پولس آفیسر مُسلسل سوالات دُہرا رہا تھا دو چار منٹ بعد حضرت ناظم صاحب مجمع کو چیرتے پھاڑتے تشریف لائے اور نہایت پیار و محبّت سے فرمایا۔ عبدالرحمٰن گھبراؤ نہیں

یہاں سے تم کو کوئی بھی زبردستی نہ لے جائے گا ان صاحب کو جواب دو؟ کیا تم یہاں رہنا چاہتے ہو؟ یا والد صاحب کے ساتھ جانا چاہتے ہو؟ تم کو پورا پورا اختیار ہے گھبراؤ نہیں یہ لوگ صرف تمہارا جواب چاہتے ہیں؟ حضرت ناظم صاحب بار بار فرما رہے ہیں لیکن ایسے وقت بھی میری زبان کا سکتہ دور نہ ہوا، بہت کچھ کہنا چاہ رہا ہوں لیکن "زبان بندی" کی کیفیت برقرار ہے۔

زُبان کشائی

بس خاموش کھڑا ہوں اسی درمیان ایک پولس والے نے کہا کہ اس بچّے کو اغوا کیا گیا ہے اور یہ کچھ کہنے سے گھبرا رہا ہے۔ بس گود میں اٹھا لیا اور یہ جا وہ جا مدرسے سے باہر ہو گیا پولس گاڑی تیار تھی سوار ہوئے اور چند منٹوں میں ریلوے اسٹیشن پہنچ گئے۔ لکھنؤ جانے کے لئے ریل تیار تھی اسٹیشن پر اچانک "زُبان کشائی" ہوئی تو بول پڑا، لیکن چڑیاں چگ گئیں کھیت، چار عدد پولس والے ساتھ تھے۔ رسّی دکھلا کر کہنے لگے خاموش!

بس قصّہ ختم ہوا ریل چل پڑی پولس کے اِن چار بھوت کی نگرانی میں لکھنؤ پہنچا۔ لکھنؤ سے اِن کا مُنہ کالا ہوا اور ہم حیدرآباد کے لئے روانہ ہو گئے۔

خودکشی

قِصّہ کا اختتام ناتمام رہے گا اگر اثنار سفر کے دو واقعات بیان نہ کئے جائیں۔ اس حادثہ پر زندگی بے قیمت معلوم ہو رہی تھی میں بہت ہی غمزدہ اور اُداس تھا۔ ریل براہ کانپور حیدرآباد کے لئے رواں دواں تھی کانپور سے پہلے دریائے گنگا کے دو منزلہ بلند و بالا پُل سے ریل کو گزرنا پڑتا تھا۔ اس سے پہلے کہ پُل آئے میں نے طے کر لیا کہ دریا میں چھلانگ لگا کر اپنی زندگی کا خاتمہ کر لیا جائے۔

اس وقت اس مصیبت کی تلافی ایسے ہی سمجھ میں آ رہی تھی اِدھر والد صاحبؒ

مسلسل سفر کی تھکان سے گہری نیند میں تھے میں نے یہ موقعہ غنیمت سمجھا اٹھا اور وضو کیا پھر توبہ واستغفار کیا اور ایک چھوٹے سے کاغذ پر اپنی خودکشی کا مختصر سبب لکھا کہ "تحصیل علم کی ناکامی میں اپنی زندگی کا خاتمہ کر رہا ہوں"

والد صاحب کے بیگ میں یہ کاغذ رکھ دیا ریل اپنی تیز رفتاری سے چل رہی تھی دَروازہ کھولا اور دَروازے کے دونوں بازو پکڑ کر پُل کا انتظار کرنے لگا چند ہی منٹ میں پُل آگیا اور ریل پُل پر گزرنے لگی ریل جب دریا کے بالکل بیچ میں آگئی تو میں بے ساختہ بسم اللہ کہہ کر اپنے آپ کو دھکا دے دیا۔ لیکن دونوں ہاتھوں کی گرفت چھوٹ نہ سکی جو دَروازے کے دونوں بازوؤں کو پکڑے ہوئے تھی، پھر دوبارہ دَھکا دیا گرفت اور زیادہ مضبوط ہوگئی خیال آیا کہ کسی نے تھام لیا ہے پیچھے دیکھا تو کوئی نہ تھا۔ چند لمحات اسی حالت میں گزر گئے لیکن پھر میں نے ہمت تازہ کی اور تیسری بار پوری قوت سے اپنے آپ کو گرایا۔ ہاتھوں کی گرفت کے علاوہ دونوں پیر بھی دہلیز سے چپک گئے۔ اب نہ آگے ہو سکا نہ پیچھے، گم سُم کھڑا رہ گیا، اسی کشمکش میں نیچے نظر پڑی تو دیکھا کہ ریل "پُلصراط" کو پار کر چکی ہے۔

فَسُبۡحٰنَ الَّذِیۡ بِیَدِہٖ مَلَکُوۡتُ کُلِّ شَیۡءٍ وَّ اِلَیۡہِ تُرۡجَعُوۡنَ ؕ

شہر کانپور آگیا سامنے اسٹیشن تھا دونوں ہاتھ اور پیروں کی گرفت بالکل نارمل ہوگئی۔ بس سیٹ پر آکر بیٹھ گیا۔ اللہ باقی، باقی فانی۔

خودگرفتاری

شہر کانپور سے کچھ دیر بعد ریل چل پڑی دوپہر سے پہلے شہر بھوپال آیا والد صاحب مرحوم مسلسل سو رہے تھے اور میری نیند تو معلوم نہیں کس وادی میں گر پڑی تھی میں بیدار تھا بھوپال اسٹیشن پر ریل معمول سے زیادہ ٹھہر گئی۔ میرے فراری ذہن نے مشورہ دیا کہ

دریا میں کود نہ سکا راہ فرار تو اختیار کی جا سکتی ہے ؟ اور شہر کے کسی بھی مدرسہ میں پہنچا جا سکتا ہے۔ اس خیال کے آتے ہی ریل سے اُتر پڑا تاکہ اسٹیشن سے باہر ہو جاؤں لیکن ٹکٹ پاس نہ تھا والد صاحب کی جیب میں تھا، گیٹ والا باہر کیسے ۔۔۔ جانے دے گا؟ پھر خیال آیا کہ انجن سے آگے ہو کر باہر نکل جاؤں چنانچہ بغیر کسی تردد پٹریوں سے گزر کر باہر ہو گیا اور اپنی ناک کی سیدھ تیزی سے چل پڑا، شہر میرے لئے نیا تھا اور میں شہر کے لئے نیا۔ آبادی میں پہنچ گیا ظہر کی اذان ہو رہی تھی سیدھے مسجد میں داخل ہوا اب یاد نہیں کہ محلہ اور اس مسجد کا کیا نام تھا صرف اتنا یاد ہے کہ مسجد میں کشادہ حوض تھا، وضو کیا پھر جماعت کا انتظار کیا باجماعت نماز ظہر ادا کی اور اپنی تدبیر پر شکر ادا کیا۔

لوگ سنتیں پڑھکر واپس ہونے لگے مسجد میں دو۲ ایک بوڑھے ضعیف کے اور کوئی نہ رہا۔ کچھ دیر مسجد میں لیٹ گیا لیکن نیند کہاں آتی بھوک نے بیقرار کر دیا تھا ضلع ہردوئی سے چلے چوبیس۲۴ گھنٹے ہو گئے تھے اس درمیان ایک لقمہ بھی تو نہیں لیا اور یہ تو خیال بھی نہ آیا کہ کسی سے اپنی بھوک پیاس کی شکایت کروں۔ جیب میں صرف دس۱۰ پیسوں کا ایک سکہ۔ خدا جانے کیسے رہ گیا تھا اُسی میں اپنی شکم سیری نظر آئی۔ اٹھا اور مسجد کے دروازہ پر آیا دیکھا کہ ایک شخص کھیرا فروخت کر رہا ہے دس۱۰ پیسے دیکر چار عدد کھیرے نمک مرچ لگائے ہوئے لے لیا اور مسجد میں بیٹھ کر ایسے اطمینان سے کھایا کہ غم ہلکا ہو گیا، جی بھر ٹھنڈا پانی پیا اور پھر لیٹ گیا آگے کی منزل کا ابھی کوئی خیال نہیں آیا۔ کہتے ہیں کہ پیٹ ہی سارے فساد کی جڑ ہے۔ پیٹ کی آگ بجھی دل ٹھنڈا ہوا تو وساوس کا دَور دورہ شروع ہوا خیال آیا کہ ریل سے نکلتے وقت اپنا صندوق کیوں نہ اٹھا لیا۔ جس میں کپڑوں کے علاوہ چند روپئے بھی ہیں اس طرح خالی

ہاتھ کس مدرسہ میں پناہ ملے گی اور کون شخص مجھ کو طالب علم سمجھے گا؟ مختلف وساوس نے بے چین کر دیا، معصوم ذہن نے پھر مشورہ دیا کہ اسٹیشن جا کر کیوں نہ اپنا صندوق اٹھا لیا جائے تاکہ شہر کے کسی بھی مدرسہ میں طالب علم کی حیثیت سے پہنچا جا سکے۔

بھوپال اسٹیشن سے نکلے ہوئے یقیناً تین گھنٹے سے زائد ہو چکے تھے لیکن ذہن میں یہ بات نہ آئی کہ ریل تو روانہ ہو چکی ہو گی صندوق کہاں ہو گا؟

ع ذہن کا ذکر کیا ہے سر ہی غائب ہے گریباں سے۔

بہرحال اس قسم کا کوئی وسوسہ تک نہ آیا مسجد سے فوری باہر آیا اور پوچھتے پاچھتے اسٹیشن پہنچا اسی پلیٹ فارم پر ایک ریل کھڑی تھی ایک صاحب سے پوچھا کہ یہ ریل کہاں جا رہی ہے؟

کہا "حیدرآباد" تیزی سے انجن کی جانب چلا پہلا ڈبہ حیدرآباد کا تھا دیکھا تو والد صاحب محوِ خواب ہیں اپنی تدبیر کامیاب نظر آئی عجلت میں اپنا صندوق اٹھا لیا لیکن وہ دوسرے صندوق سے ٹکرا گیا آواز پیدا ہوئی والد صاحب اچانک بیدار ہو گئے۔ بس ساری کارروائی ڈھیر ہو گئی۔

پوچھا! کیا بات ہے؟ میں نے جواب نہ دیا، بازو والوں سے دریافت کیا کونسا اسٹیشن ہے؟ لوگوں نے کہا شہر بھوپال ہے آگے کوئی مال گاڑی پٹریوں سے اُتر گئی ہے اس کی دُرستگی تک ہماری ریل کو روک دیا گیا ہے ابھی اسی گفتگو کو ہوئے دس پندرہ منٹ بھی نہ گزرے تھے کہ ہماری ریل چل پڑی۔ ع خود بخود آزاد بُودی خود گرفتار آمدی۔

جہاں سے چلے تھے وہاں پہنچ گئے۔

اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰى فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَالْاُوْلٰى

میرا دوسرا تعلیمی سفر

مدرسہ اشرف المدارس (ضلع ہردوئی) سے حیدرآباد واپسی پر تقریباً چھ ماہ اہل خاندان کی نگرانی رہی اس عرصہ میں طلب علم کا تقاضہ شدّت اختیار کرتا رہا آخر کار ۱۹۵۱ء مطابق ۱۳۷۰ھ مخفی طور پر دوبارہ راہ فرار اختیار کی یہ سفر بھی مُرشد اوّل ہی کی رہنمائی اور خصوصی تعاون سے تکمیل پایا البتہ اس دفعہ یہ کوشش رہی کہ اہل خاندان کو کچھ بھی پتہ نہ لگے۔

یُوپی کے ضلع سہارن پُور مولانا سیّد ظہور الحسن صاحبؒ مدرس مدرسہ مظاہر علوم کے یہاں پہنچا مولانا موصوف نے ضلع مظفر نگر کے قدیم اور تاریخی قصبہ شاملی میں مولانا محمد اسلام صاحبؒ کے مدرسہ میں داخل کروادیا اس سفر میں محلّہ کے ایک دوست سیّد حسین بھی ساتھ تھے (موجودہ خطیب مسجد مجلس ضلع گلبرگہ مہاراشٹر۔ انڈیا) مولانا محمد اسلام صاحبؒ نے عام طور پر طلبہ کی بے ذوقی اور عدم توجہی کی بناء پر عرصہ دراز سے درس وتدریس کا سلسلہ بند کر رکھا تھا قصبہ کے بچّوں کو صرف حفظ قرآن کروارہے تھے۔ شہر حیدرآباد کا یہ غریب الوطن طالب علم جب شاملی پہنچا تو استاذ محترم کا جذبۂ درس وتدریس اُبل پڑا اور بڑی گرم جوشی سے ان دونوں طالب علم کا استقبال کیا پھر اس جوش وخروش سے تدریسی سلسلہ جاری فرمایا جو صرف خوش نصیب شاگردوں کو میسّر آتا ہے

علم کی قدردانی

زمانہ طالب علمی کی قدردانی جس طرح میں نے کی ہے میرے ہم عمر دوستوں سے بالکل مختلف رہی ہے۔ کتاب واستاذ کا احترام، طلب وجستجو کا اہتمام، وقت وحاضری کا التزام، یہ اور اس قسم کی نعمتیں منجانب اللہ میسّر تھیں۔ انہی ایام میں میں اپنے ساتھیوں سے کہا کرتا تھا کہ علم سے فراغت کے بعد اکثر حضرات کو کہتے سنا گیا ہے "افسوس

ہم نے زمانۂ طالب علمی کی قدر نہ کی اور نہ محنت و توجہ سے علم حاصل کیا، لیکن میں انشاء اللہ ایسا ہرگز نہیں کہوں گا' (الحمدللہ آج ۱۴۱۳ھ میں بھی یہی کہتا ہوں) مشفق اُستاذ کی عنایت و توجہ سے ابتدائی عربی کورس کا پانچ سالہ نصاب تین سال میں مکمل ہوگیا اور آگے کی منزلیں قریب نظر آنے لگیں، علم دین کے اس ابتدائی مرحلہ میں غیبی تائیدات، بزرگوں کی عنایات، منامی بشارات، اتنی کثرت سے پیش آئیں جس کا احاطہ مشکل ہے اسی زمانے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی باربار خوابی زیارت سے مشرف ہوتا رہا (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک مرتبہ آپ کے ساتھ آپؐ کے تمام اصحاب کرام کی زیارت بھی نصیب ہوئی یہ عجیب وغریب خواب تھا جس نے میری طالب علمانہ زندگی میں ایک نئی زندگی کا آغاز کر دیا۔ تحصیل علم میں تحقیق وجستجو پیدا ہوئی۔ عبادات اور شب بیداری کا داعیہ بڑھتا گیا، ایک مرحلہ ایسا بھی آیا کہ کثرتِ بیداری نے دماغ کو متاثر کر دیا اسی عرصہ میں بیس ۲۰ اکیس ۲۱ دن ایسے بھی گزرے ہیں جس میں مجذوبی کیفیت طاری رہی استاذِ محترم کی طبّی تدابیر نے دستگیری کی دوا علاج کے علاوہ تعلیمی مشغولیت کو بند کر دیا گیا، کتابیں چھین لی گئیں اور پھر راحت وآرام کے اوقات بھی متعین کر دیے گئے۔ یک ماہ تک صبح وشام سبزہ زار پر برہنہ سر اور برہنہ پا چہل قدمی بھی کروائی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا اور عام صحت لوٹ آئی ورنہ معلوم نہیں آج ہم کن مجذوبوں کی جماعت میں ہوتے۔

یہاں اُس خواب کو نقل کر دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے جس نے طالب علمانہ زندگی میں انقلابی کیفیت پیدا کر دیا تھا۔

باعظمت خواب

جیساکہ عرض کیا گیا طالب علمانہ زندگی میں بحث ومباحثہ تحقیق وتنقید، غور وفکر کی جانب طبعی سا لگاؤ تھا خاص طور

پر ائمہ مجتہدین میں امام ابو حنیفہؒ کے اقوال اور ان کی تحقیقات کا مطالعہ ذوق وشوق سے کیا کرتا تھا۔ انھی دنوں کسی کتاب کا مطالعہ کر رہا تھا نیند آگئی عالمِ خواب میں پہنچ گیا دیکھا کہ ایک بہت بڑا مجمع ہے اور چاروں سمت سے لوگ جمع ہو رہے اور ہر شخص مجمع کے درمیان داخل ہونے کی کوشش کر رہا ہے، میں نے ایک صاحب سے دریافت کیا کہ یہ ہجوم کن لوگوں کا ہے؟ جواب دیا گیا کہ یہ سب اصحاب رسولؐ ہیں یہاں امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کا کسی مسئلہ میں مناظرہ ہو رہا ہے، امام صاحبؒ کا نام سنتے ہی میں تیزی سے مجمع کے درمیان پہنچ گیا،

امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کو ایک دوسرے کے سامنے کھڑا دیکھا امام ابو حنیفہؒ دراز قد، گھنی ڈاڑھی، لمبا کرتہ، جمیل شکل وصورت، بالکل سیدھے کھڑے ہیں۔

امام شافعیؒ نسبتاً پست قد، دراز ڈاڑھی، کمر قدرے جھکی ہوئی، چہرہ نورانی، عبا یا زیب تن، ادب واحترام سے کھڑے ہیں۔

ان دونوں بزرگوں کو دیکھکر دل باغ باغ ہو گیا۔ تیزی سے امام ابو حنیفہؒ کے پیچھے کھڑا ہو گیا اور توجہ سے دونوں حضرات کی گفتگو سننے لگا مسئلہ رَفعِ یدین (یعنی نماز میں بار بار ہاتھ اٹھانا) کا تھا امام ابو حنیفہؒ اپنے دلائل بیان کر رہے تھے اور امام شافعیؒ اپنے دلائل۔

تفصیل تو یاد نہیں کہ کیا کیا دلائل تھے لیکن نہایت ادب واحترام سے گفتگو جاری تھی۔ جب امام صاحب کچھ فرماتے تو امام شافعیؒ توجہ سے سماعت فرماتے اور امام شافعیؒ کی گفتگو کو امام صاحب بھی ویسے ہی توجہ دیتے، ایک دوسرے کی گفتگو میں کوئی بھی مداخلت نہیں کرتا۔ بہت دیر تک یہ سلسلہ جاری

رہا اور مجمع بھی نہایت پُرسکون طریقے پر سماعت کر رہا تھا ایسا محسوس ہوتا تھا کہ مجمع کا آخری حصّہ بھی ویسے ہی سُن رہا ہے جیسے درمیانی حصّہ، ہر جانب آواز یکساں، سنائی دے رہی ہے۔ لیکن فیصلہ ہونے نہ پاتا میں آہستہ آہستہ امام ابو حنیفہؒ کے پیچھے بالکل قریب ہوگیا میرے اور آپ کے درمیان اور کوئی نہیں، اور منتظر ہوں کہ امام صاحب کامیاب ہوجائیں گے۔ اس طویل مباحثہ کا آخری حصّہ خوب یاد ہے ممکن ہے الفاظ آگے پیچھے ہوں لیکن مفہوم یہی تھا۔ امام شافعیؒ نے امام صاحبؒ سے دریافت فرمایا کیا آپ کے ہاں کوئی حدیث شریف بطور دلیل موجود ہے؟ اس پر امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کیوں نہیں۔

مجھ سے حدیث بیان کی حمّادؒ نے ابراہیم نخعیؒ سے اور ابراہیم نخعیؒ نے حدیث بیان کی علقمہؒ اور اسودؒ سے اور ان دونوں حضرات نے حدیث بیان کی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز شروع کرتے وقت دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھایا کرتے تھے پھر اس کے بعد کسی بھی حالت میں نہیں اٹھاتے۔

یہ سُن کر امام شافعیؒ خاموش ہوگئے پھر امام ابوحنیفہؒ نے دریافت کیا آپ کے ہاں کیا دلیل ہے؟

امام شافعیؒ نے نہایت ادب واحترام سے جواب دیا۔

مجھ سے حدیث بیان کی اوزاعیؒ نے ابن شہاب زہریؒ سے اور زہریؒ نے حدیث بیان کی سالمؒ سے اور سالمؒ نے اپنے والد عبداللہ بن عمرؓ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز شروع کرتے وقت اور رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھایا کرتے تھے۔

اِن دونوں حضرات کی گفت گو سے تھوڑی سی دیر کے لئے عالم سکوت سا پیدا ہوا اور دونوں امام خاموش کھڑے رہے۔ میری بیقراری میں اضافہ ہونے لگا کہ الٰہی اب کیا ہوگا؟ دونوں کے پاس حدیثِ رسول ہے اچانک امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا ٹھیک ہے تو پھر ہم خود ہی حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے پوچھ لیں یہ کہکر دونوں امام آگے چلنے لگے اور مجمع بھی ہٹنے لگا قریب ہی دونوں صحابیٔ رسول تشریف فرما تھے یہ منظر عجیب روح پرور تھا امام ابوحنیفہؒ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بالکل ہم شکل تھے۔ اور امام شافعیؒ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے مشابہ۔

امام شافعیؒ نے حضرت ابن عمرؓ سے عرض کیا حضرت کیا آپ نے یہ حدیث بیان نہیں فرمائی؟ اس پر حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا ہاں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے ہی کرتے دیکھا ہے پھر امام ابوحنیفہؒ نے حضرت ابن مسعودؓ سے عرض کیا حضرت مجھ کو آپ سے یہ حدیث پہنچی ہے فرمایا ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے ایسے ہی کرتے دیکھا ہے۔

بات جہاں سے چلی تھی وہاں ہی پہنچ گئی اور مسئلہ حل نہ ہوا سارا مجمع خاموش کھڑا ہے کچھ دیر سکوت کا عالم رہا پھر اچانک امام ابوحنیفہؒ فرمانے لگے جب دونوں بزرگ صحابی ایسا ہی فرماتے ہیں تو پھر کیوں نہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرلیں؟

آپ جو بھی فیصلہ فرمادیں وہی ہمارا بھی فیصلہ ہوگا۔

یہاں میرے عالم خواب کا یہ وہ عظیم ترین لمحہ تھا جس کی حلاوت و لذت آج بھی محسوس ہوتی ہے۔ خوشبوؤں اور مسرتوں کا ایک طوفان تھا جس نے بے خودی کی کیفیت پیدا کردی۔

دونوں امام چلنے لگے میں بھی ساتھ ہوگیا چند ہی لمحات میں ہم مجمع سے آگے ہو گئے اور سارا مجمع پیچھے تھا اور سامنے ایک بہت بڑا لق دق جنگل ہے بہت دور ایک پہاڑی پر چھوٹی سی جھونپڑی نظر آرہی تھی مجمع میں چرچا ہو رہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے تشریف لانے والے ہیں۔ سب کی آنکھیں اسی جانب ہیں۔ اس انتظار میں زیادہ دیر نہ ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اچانک قریب آگئے۔ چہرے مُبارک پر مسکراہٹ، دندانِ مُبارک سے تیز روشنی نکل رہی ہے۔ سرِ مُبارک پر سفید عمامہ۔ کرتہ دراز، اور پائیجامہ ٹخنوں سے اوپر، دونوں مُبارک پیروں میں نعلین شریفین صلی اللہ علیہ وسلم۔

امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے ادب و احترام کا عجیب حال تھا۔ امام صاحبؒ تو آنکھیں نیچی کئے ہوئے ستون کی طرح ساکت کھڑے ہو گئے۔

امام شافعیؒ ویسے بھی خمیدہ کمر تھے ادب و احترام میں اتنے جھک گئے کہ رکوع کی حالت پیدا ہونے لگی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کو دیکھکر مسکرانے لگے۔ یہ عجیب بات تھی کہ امام ابوحنیفہؒ نے اس موقعہ پر بھی پہل کی نہایت ادب سے عرض کیا

یا رسول اللہؐ آپ کے صحابی عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ آنجناب نماز شروع کرتے وقت اپنے دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھاتے تھے پھر کسی حالت میں اس کا اعادہ نہیں فرماتے: آپؐ نے مسکراتے ہوئے سکوت فرمایا (یعنی کوئی جواب نہ دیا۔)

پھر امام شافعیؒ نے اپنی کمر دراز کی اور بصد احترام عرض کیا۔

یا رسول اللہ ہم سے آپ کے صحابی عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ آپ آغاز نماز کے علاوہ رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد بھی دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھایا کرتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سوال پر بھی مسکراتے ہوئے سکوت فرمایا چند ہی لمحات نہ گزرے تھے کہ امام شافعیؒ کی جانب نظر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

ابو حنیفہؒ ٹھیک کہتے ہیں۔

بس اتنا سنا ہی تھا کہ میں بے تحاشہ بول پڑا، ہمارے امام صاحبؒ جیت گئے پھر مجمع کو چیرتا پھاڑتا باہر نکل گیا اور میری زبان پر یہی کلمات تھے۔

لیکن بہت جلد مجھکو احساس ہو گیا کہ میں نے بچکانی حرکت کی ہے۔ (اور حقیقت بھی یہی ہے کہ یہ خواب میرے بچپن ہی کا تو تھا) فوری پیچھے پلٹا تو دیکھا کہ سارا مجمع غائب ہے کچھ دیر حیرانی کی کیفیت رہی پھر ہوش آیا تو اپنی طفلانہ حرکت پر ندامت ہوئی کہ میں نے اتنی عجلت کیوں کی؟ اور کیوں نہ عقل سے کام لیا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کم از کم مصافحہ ہی کر لینا اب کیا ہوگا؟

اسی حالت میں ایک صاحب بازو سے گزرے یہ صاحب ہمارے استاذ محترم مولانا اسعد اللہ صاحبؒ ناظم مدرسہ مظاہر علوم (سہارن پور) کے بالکل ہم شکل تھے (اور غالباً وہی تھے) میں نے ان سے دریافت کیا حضرت یہاں بہت بڑا مجمع تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف فرما تھے یہ سب حضرات کہاں گئے۔

انھوں نے فرمایا میاں یہ سب حضرات امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کی گفتگو سُننے تشریف لائے تھے پھر یہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اُسی پہاڑی پر واپس چلے گئے ہیں یہ کہہ کر یہ صاحب بھی آگے بڑھ گئے۔ میں نے جو اُس پہاڑی کی جانب دیکھا تو اتنا دور دراز فاصلہ نظر آیا کہ وہاں جانا ممکن نہ تھا عجیب بیقراری پیش آئی قریب ہی ایک درخت کے نیچے ایک عمر رسیدہ بزرگ تشریف فرما نظر آئے۔

تیزی سے اُن کی جانب چلا معلوم ہوا کہ یہ بزرگ حضرت میاں جی نور محمد صاحبؒ (حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کے پیرو مرشد اور حضرت تھانویؒ کے دادا پیر ہیں) دُبلے پتلے، پستہ قد، خمیدہ کمر نہایت ضعیف و کمزور، جب میں اُن کے قریب آیا تو وہ کھڑے ہو گئے میں نے سلام کیا تو سلام کا جواب دیا اور میرے سَر پر اپنا ہاتھ رکھا اور دُعا دی اب یاد نہیں کہ وہ کیا کلمات تھے۔ جب اِن بزرگ پر میری دوبارہ نظر پڑی تو اُن کو بھی غائب پایا۔ بڑا تعجب ہوا کہ یہ کیا ہو رہا ہے بیقراری میں مزید اضافہ ہونے لگا۔ پھر معًا خیال آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب یہاں تشریف لائے تھے تو ایک درخت کے نیچے وضو یا استنجا کیا تھا اسی خیال کے ساتھ اس درخت کی جانب چلا دیکھا تو وہاں زمین گیلی گیلی تھی یقین ہو گیا کہ اسی مقام پر آپؐ نے وضو فرمایا تھا، سر سے ٹوپی اتاری اور بڑی عظمت اور عقیدت سے اس گیلی مٹی کو اپنی ٹوپی میں رکھنا شروع کیا جب پوری مٹی اٹھالیا تو مٹی کے وہ باریک ذرّات جو وضو کے پانی سے نم شدہ تھے ایک ایک ذرّہ اپنی آنکھ کی پلک سے اٹھا اٹھا کر ٹوپی میں رکھنے لگا جب پورے ذرّات رکھ چکا اور ٹوپی بھر گئی تو نہایت ادب واحترام سے بھری ٹوپی اٹھایا اور سونگھنے لگا۔ خوشبو کچھ ایسی دل آویز تھی کہ دل ودماغ معطّر ہو گئے، عام طور پر لوگ کسی خوشبو کو مشک وعنبر سے تشبیہ دیا کرتے ہیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ "ماءِ مستعمل" ایسا رُوح پرور اور وجد آور تھا کہ اس کو دنیا کی کسی بھی خوشبو سے تشبیہ نہیں دی جا سکتی (صلی اللہ علیہ وسلم)، میں نے دوبارہ ایک بھرپور اور دراز سانس لیا، لمبی سانس کا لینا ہی تھا کہ سینہ پھول گیا اور نیند بیدار ہو گئی۔ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ دل ودماغ باغ باغ ہو رہے تھے وضو کیا اور سجدۂ شکر بجالایا۔ مجھ کو خوب یاد ہے کہ اس خواب کے چند ہی دنوں بعد حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیّب صاحبؒ

مہتمم دارالعلوم دیوبند) کا اس نواح میں تبلیغی دورہ تھا موصوف قصبہ شاملی تشریف لائے۔ یہاں سے قصبہ کیرانہ جارہے تھے بغیر کسی درخواست یا سفارش مجھکو ایک دینی طالب علم کی حیثیت سے اپنے ساتھ لے لیا۔ حضرت کی اس خصوصی عنایت پر جرأت بڑھ گئی سفر چونکہ گھوڑا گاڑی پر ہو رہا تھا اثناء راہ اس موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میں نے اپنا مذکورہ خواب بیان کرنا شروع کیا حضرت موصوف پوری توجہ سے سماعت فرمارہے تھے منزل مقصود پر پہنچ کر اپنی عام مجلس میں اس خواب کے ہر ہر جزء کی ایسی برجستہ تعبیر بیان فرمائی کہ سننے والوں پر بے خودی کی سی کیفیت طاری ہونے لگی۔ مسلسل تین گھنٹوں تک یہی سلسلہ رہا۔ عجیب بات ہے کہ میرا مذکورہ خواب بھی تین گھنٹوں کا تھا ان سطور کی تحریر کے وقت ۱۹۹۲ء اگر حضرت قاری صاحبؒ باحیات ہوتے تو خود حضرت کی زبانی اس کی تعبیر نقل کی جاسکتی تھی جس کا اب امکان نہیں ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ط

صبر آزما دور

یہاں اس بات کا تذکرہ بے محل نہ ہوگا چونکہ میرا یہ دوسرا تعلیمی سفر بھی اہل خاندان کی بغیر اجازت اور بغیر مرضی ہوا تھا ظاہر ہے گھر سے مالی تعاون کا کوئی امکان نہ تھا۔

ضلع ہردوئی کے مدرسہ اشرف المدارس میں تو یہ طے کیا گیا تھا کہ ہفتہ میں ایک دن یوم جمعہ کچھ دیر کے لئے مقیم طلبہ کے کپڑوں کی ضروری سلوائی کا کام کریں اور اس کا ماہانہ معاوضہ پندرہ روپئے ملے گا جس میں ماہانہ دس روپئے طعام خرچ میں وضع کر لئے جائیں گے اور بقیہ پانچ روپئے ذیلی خرچ کیلئے دئے جائیں گے یہ یاد رہے کہ میں سلوائی کا کام جانتا تھا لیکن قصبہ شاملی کے اس مدرسہ میں ایسا کوئی نظم نہیں تھا۔ صرف قیام و طعام کا انتظام مدرسہ کی جانب سے تھا ذیلی خرچ کیلئے تعاون کی کوئی صورت نہ تھی۔ یہاں ابتدائی چند ماہ سخت تنگی و عسرت

میں گزرے بعض دفعہ چار چار آنے کے لئے کئی کئی دن انتظار کرنا پڑتا تھا سوال کرنے کی نہ عادت تھی اور نہ طبیعت کو یہ گوارہ تھا، تقاضوں اور ضرورتوں کو تسلّی سے دبالیا جاتا تھا یہاں ایک چھوٹا سا دلچسپ واقعہ بھی پڑھ لیا جائے۔

میں بچپن ہی سے سر پر اسلامی طرز کے دراز بال رکھا کرتا تھا (جس کو زُلف کہا جاتا ہے) اور یہ سنّت مجھکو بہت پسند تھی چہرے پر نہ ڈاڑھی تھی اور نہ ڈاڑھی کی عمر، سر کے اِن بالوں کی صفائی ستھرائی کے علاوہ تیل کا استعمال بکثرت کیا کرتا تھا قصبہ شاملی کے اس مدرسہ میں شرکت کے بعد تقریباً دو تین ماہ ایسے ہی رُوکھے سُوکھے گزر گئے تیل خریدنے کی گنجائش نہ تھی سر میں جوئیں پڑ گئیں اور بعض اوقات سر چکرانے لگتا تھا لیکن بالوں کو اُن کی غذا فراہم کرنا میرے بس کی بات نہ تھی۔ دوست نے مشورہ دیا کہ میاں بال منڈالو پھر کبھی رکھ لینا۔ لیکن یہ مشورہ پسند نہیں آتا تھا۔ ہمارا یہ مدرسہ قصبہ کی جامع مسجد کے احاطے میں تھا ہمارے استاذ محترم اُس کے امام و خطیب بھی تھے ہر جمعہ کو وعظ بھی فرمایا کرتے تھے اس لئے اطراف واکناف کے دیہاتی مسلمان نمازِ جمعہ ادا کرنے اور مولانا کا وعظ سننے کے لئے آیا کرتے تھے ہر جمعہ بڑا مجمع ہو جایا کرتا تھا۔ ایسے ہی ایک جمعہ نماز کے بعد چند دیہاتی مسلمان ہمارے حجرے میں آئے انھیں کسی سے یہ معلوم ہوا کہ نظام حیدر آباد دکن سے دو طالب علم آئے ہیں ملاقات کرنا چاہتے ہیں ضروری خیر خیریت کے بعد چلتے وقت دس دس پیسوں کے دو سکّے ہم دونوں طالب علم کو دے گئے

دس پیسوں کا ایک سکّہ جب میرے ہاتھ میں آیا تو تیل کا مسئلہ حل ہو گیا۔ دل خوشیوں میں ڈوبنے لگا کہ بالوں کی غذا فراہم ہو گئی قریب ہی دوکان تھی جا کر اس طرح خرید کی، منشی جی کیا کھوپرے کا تیل ہے؟ منشی جی نے تیز نظر

سے دیکھا تو میں نے پھر کہا کھوپڑے کا تیل چاہیئے ؟ منشی جی نے غضب آلود آواز میں کہا۔ کھوپرہ کھوپرہ کیا بکتا ہے ؟ میں نے کہا بالوں کا تیل چاہیئے، کہنے لگا تو پھر سوسوں کا تیل کیوں نہیں کہتا۔ (دکنی زبان میں ناریل کو کھوپرہ کہا جاتا ہے اور میں یہی تیل خریدنا چاہتا تھا۔ میں نے دس پیسے دیدیئے اور تیل لے آیا۔ کمرے میں آکر جو اسکو سونگھا تو عجیب سی بو تھی، استعمال کرنے کو طبیعت نہ چاہی آخر اس کو چراغ کی کٹوری میں ڈال دیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہاں عام طور پر بالوں کے لئے یہی تیل استعمال کیا جاتا ہے)

دوسرے یا تیسرے جمعہ وہی دیہاتی یا دوسرے ملاقات کرنے آئے چلتے وقت چار چار آنے دے گئے اب بالوں کے بارے میں یہی فیصلہ بہتر معلوم ہوا کہ نکال دیا جائے چنانچہ حجام کو دو۲ آنے دیکر سر صاف کر لیا گیا۔

"اے بسا آرزو خاک شدہ"

دورِ طالب علمی کا یہ بڑا ہی صبر آزما وقت تھا اللہ کی تائید و توفیق شامل حال نہ ہوتی تو معلوم نہیں ہم کیا فیصلہ کر بیٹھتے۔ اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ بِمَا ھَدَیْتَنَا۔ کچھ عرصہ بعد مدرسہ کی جانب سے قیام وطعام کے علاوہ ماہانہ بارہ۱۲ آنے جیب خرچ ملنے لگا جس میں نہانے دھونے کا صابن اور صبح کا اپنا ذاتی ناشتہ شامل تھا۔ ناشتہ تو کیا ہوتا دو۲ چار پیسوں کی کوئی چیز کھالی جاتی تھی۔ اللہ بس باقی ہوس۔

درسی خصوصیات قصبہ شاملی کے اس ابتدائی مدرسہ میں تین سال قیام رہا جیسا کہ عرض کیا گیا ابتدائی پانچ سالہ عربی نصاب استاذ محترم کی خصوصی توجہ وعنایت سے تین سال میں تکمیل پایا، ہر روز چھ۶ گھنٹوں میں نو کتابوں کا درس ہوا کرتا تھا۔ اور پھر بعد مغرب تا ایک تہائی رات پڑھے ہوئے درس کا اعادہ کیا جاتا تھا جس کو مدرسہ کی زبان میں "تکرار" کہا جاتا ہے۔ طلبہ کیلئے

یہ طریقہ نہایت ضروری اور مفید ثابت ہوا ہے اس لئے دینی مدارس کے طلبہ کیلئے یہ پابندی واجباتِ مدرسہ میں شمار کی جاتی ہے بحمداللہ سبق کی یہ تکرار بھی ہم دونوں طالب علم نہایت اہتمام سے پورا کیا کرتے تھے۔

استاذ محترم کا ہر روز یہ سوال ہوا کرتا کیا گزشتہ سبق کی تکرار کی گئی ؟ اور کیا آگے مطالعہ کیا گیا ؟ اگر نفی میں جواب ہوتا تو نیا سبق ملتوی کر دیا جاتا یہ ہمارے لئے ایک ایسی سزا تھی جس کا برداشت کرنا بڑا بھاری تھا لیکن شاذ و نادر ہی ایسی کوتاہی ہو جایا کرتی تھی۔

اُستاذ محترم کی درسی خصوصیات میں امتیازی طور پر یہ خصوصیت قابلِ ذکر ہے کہ وہ علم کے ساتھ عمل پر بھی توجہ دیا کرتے تھے وہ فرمایا کرتے تھے "عِلم برائے علم نہیں ہوتا بلکہ برائے عمل ہے " اور اس کی عملی صورت اس طرح اختیار فرماتے کہ درس میں جو بھی عملی تقاضہ ملتا اسکو روزمرہ کے عمل میں جاری کرنے کی ہدایت کرتے اور پھر اس کا اپنی آنکھوں سے بھی مشاہدہ کرنا چاہتے خصوصًا درس فقہ کے مسائل کو نماز، وضو، طہارت اور دیگر عبادات میں جاری کرواتے، مجھے خوب یاد ہے کہ طہارت، وضو کے درس میں وضو کے ہر ہر عمل پر سلف صالحین سے جو دُعائیں منقول ہیں ان کی تعلیم کر کے ارشاد فرمایا اپنے وضو میں ان دُعاؤں کو جاری کرو۔ جب یہ ازبر ہو جائیں تو وضو میں پڑھ کر سُنایا جائے ؟

دُعائیں تو یاد ہو گئیں لیکن وضو میں ہر عضو کو دھوتے ہوئے برجستہ ادا نہ ہو سکیں تو خبردار کیا کہ جب تک روانی کے ساتھ وضو میں یہ دُعائیں جاری نہ ہونگی سبق بند رہے گا۔ چنانچہ دو۲ دن تک سبق بند رہا، آخر ہم نے وضو کا یہ امتحان دیکر درس کا آغاز کروالیا۔

یہ حضرت استاذ ہی کی برکت ہے کہ آج تک وہ دُعائیں یاد ہیں۔

اُستاذ محترم کی دَرسی خصوصیات کا یہ ایک نمونہ ہے، اے کاش آج کے اساتذہ کرام بھی اس اسلوب کو اپناتے ؟

میرا وطن

عام طور پر دینی مدارس کے طلبہ کو ہر سال دو ماہ (شعبان، رمضان) کی چھٹی ملا کرتی ہے۔ ان چھٹیوں میں طلبہ اپنے اپنے وطن چلے جایا کرتے ہیں پھر ماہِ شوال میں واپس ہوجاتے ہیں۔ لیکن میرا وطن تو مدرسہ تھا مسلسل تین سال اسی وطن میں گزرے یہ میری خوش بختی تھی کہ شفیق استاذ نے ان چھٹیوں میں بھی تدریسی سلسلہ جاری رکھا اور جب رمضان المبارک کا آخری عشرہ آتا تو مسجد میں اعتکاف کیلئے بٹھا دیا جاتا اس طرح دورِ طالب علمی میں دو اعتکاف نصیب ہوگئے۔

اَللّٰهُمَّ اغفر لہٗ وارحمہٗ ونوّر قبرہٗ واکرم نزلہ ووسّع مدخلہ۔ آمین

خدمتِ بُزرگاں

عام طور پر استاذ کی خدمت سے جی چرایا جاتا ہے لیکن میرا مزاج اس سے بالکل مختلف تھا میں استاذ کی خدمت کا متلاشی رہا کرتا تھا، استاذ کے کپڑے دھونا، پیر دبانا، سر کی مالش کرنا تو روزمرّہ کا معمول تھا اسی پر بس نہیں بلکہ جب بھی کوئی مدرسہ میں مہمان ہوتے تو ان کی خدمت بھی اسی ذوق وشوق سے انجام دیا کرتا تھا۔

قصبہ شاملی پر ریلوے اسٹیشن بھی تھا اطراف واکناف کے دیہات میں دینی مَدارس بکثرت تھے۔ اطراف کے اکثر مسلمان دیندار، علم دوست تھے۔ وعظ ونصیحت کے لئے اکابر ملّت کو دعوت دیا کرتے تھے اس لئے لازمی طور پر ایسے مہمان علماء کا گذر قصبہ شاملی سے ہوا کرتا تھا دو چار گھنٹے آرام کیلئے جامع مسجد کے مدرسہ میں ضرور قیام فرمایا کرتے تھے ہمارے استاذ محترم اس کا انتظام فرماتے اس طرح بہت سے اکابرین کی خدمت کا موقعہ ملا کرتا تھا، شاید

ہی کوئی بزرگ ادھر سے گزرے ہوں اور میں نے ان کی خدمت نہ کی ہو۔ البتہ بعض مہمان علمِ دین کے طلبہ سے خدمت لینا پسند نہیں کرتے تھے اور جب پہل کی جاتی تو ارشاد فرماتے بچو تم تو مہمانِ رسول ﷺ ہو ہم کو خود تمہاری خدمت کرنی چاہیئے نہ کہ تم ہماری خدمت کرو ؟

اس جواب پر ہمارے بعض ساتھی تو خاموش ہو جاتے لیکن مجھ سے خاموش رہا نہیں جاتا تھا کچھ نہ کچھ عرض معروض کر کے خدمت کر ہی ڈالتا۔ ایک دفعہ ایک بزرگ کو اس طرح مؤدبانہ جواب دیا حضرت بیشک ہم تو مہمان رسول ہیں لیکن آپ مہمانانِ رسول ﷺ کے مہمان ہیں لہٰذا ہم کو بھی خدمت کرنے کا حق ملنا چاہیئے ؟

ہنس کر فرمایا آپ کا جواب لاجواب ہے۔

مالش والا

دراصل بزرگوں کی خدمت کرنے کا فطری شوق تھا چنانچہ ماہانہ آمدنی سے بچت کر کے تیل کی ایک شیشی خرید لی تھی اور اس کو بڑی حفاظت سے رکھا کرتا تھا جب بھی کوئی بزرگ تشریف لاتے اور کھانے پینے سے فارغ ہو کر جب وہ بیٹھ جاتے تو میں تیل کی شیشی لے کر حاضر ہو جاتا اور بے تکلف عرض کر دیتا حضرت اجازت دیں سر کی مالش بہت عمدہ طریقے سے کرنا جانتا ہوں ؟ یہ عنوان میں نے تجربوں کے بعد سیکھا تھا۔ کیسے ہی مزاج کے بزرگ ہوں سر کی مالش سے کیا عذر کر سکتے کم از کم خاموش ہی ہو جاتے اور بس اپنا کام کر جاتا۔

اور حقیقت بھی یہی تھی کہ جب سر کی مالش کرنے لگتا تو آناً فاناً محوِ خواب ہو جاتے اور میں کامیاب ہو جاتا۔ ایسے ہی ایک خاص واقعہ قابلِ ذکر ہے سن غالباً ۱۳۷۱ھ ۱۹۵۱ء کا تھا معلوم ہوا کہ ضلع ہردوئی سے حضرت مولانا ابرار الحق صاحب مدظلہٗ

قصبہ تھانہ بھون تشریف لائے ہیں ۔ میں اور میرے ساتھی سید حسین صاحب استاذ محترم سے اجازت لے کر تھانہ بھون پہنچے رات خانقاہ میں گذارنا طے کیا حضرت سے ملاقات ہوئی نہایت محبت و شفقت کا معاملہ فرمایا اور ہدایات و نصائح سے سرفراز کیا ۔ موسم گرمیوں کا تھا رات کو خانقاہ کی چھت پر استراحت کا انتظام کیا گیا ۔ ہم نے بھی اپنے بستر ایک جانب لگا لئے ۔ جب حضرت اپنی چارپائی پر لیٹ گئے ۔ مالش والا تیل کی شیشی لے کر پہنچ گیا ، عرض و معروض کرنے کی نوبت ہی نہ آئی حضرت سمجھ گئے فرمایا اچھا مالش کر دیجئے میں نے اپنا کام شروع کر دیا میرے ساتھی پیر دبانے بیٹھ گئے ۔ حضرت اپنی عادت کے مطابق ارشادات فرما رہے تھے اور ہاتھ میں تسبیح بھی تھی کچھ زیادہ دیر بھی نہ گزری کہ آپ خاموش ہو گئے غالباً نیند آگئی اور یقیناً ایسے ہی تھا لیکن ہاتھ کی تسبیح برابر چل رہی تھی جس سے شبہ ہونے لگا کہ آپ بیدار ہیں ۔ مزید آدھا پون گھنٹہ ایسے ہی گزر گیا میرے ساتھی نے اشارۃً کہا کہ اب تو حضرت سو گئے ہیں چلو ہم بھی سو جائیں ؟

لیکن میں نے تسبیح کی جانب اشارہ کیا وہ تو معمول کے مطابق چل رہی ہے کچھ دیر اور خدمت کی گئی پھر بھی یہی صورت رہی حضرت مولانا محوِ خواب ہیں لیکن تسبیح جاری ہے میرے ساتھی تو اٹھ گئے اور اپنے بستر پر جا لیٹے لیکن میں نے تہیہ کر لیا کہ جب تک مولانا بس نہ فرما دیں اپنا کام جاری رکھوں گا ۔ چنانچہ اپنی ماہرانہ مالش اور تیز کر دی رات کے گیارہ تو بج ہی چکے تھے ۔ بارہ ، ایک ، ڈیڑھ پر گھڑی کے گھنٹے سنتا گیا حضرت مولانا محوِ خواب تھے ۔ لیکن ہاتھ کی تسبیح برابر چل رہی تھی یہ عجیب و غریب صورتِ حال تھی میں نے دل میں کہا کہ چلو اذانِ فجر بھی قریب ہے اپنا کام جاری رہے ۔ ڈیڑھ دو بجے کے درمیان حضرت مولانا

بیدار ہوئے دریافت فرمایا کیا وقت ہے؟ میں نے کہا بس دو۲ بجنے ہی والے ہیں۔ فرمایا ارے تو کیا آپ ابھی تک مالش کر رہے ہیں؟

میں نے عرض کیا حضرت آپ تو غالبًا بیدار ہی تھے؟ فرمایا نہیں نہیں مجھے یاد بھی نہیں کہ کب نیند آگئی اچھا جاؤ آرام کرو فجزاکم اللہ۔

پھر حضرت تہجد کی تیاری میں مشغول ہو گئے۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے اپنا طالب علمانہ مزاج تھا صبح ناشتے پر ہی حضرت سے "سیرِ تسبیح" کا تذکرہ کر ہی دیا۔

بے ساختہ فرمایا ہم کو اس کی بھی خبر نہیں۔

اللہ اکبر! تواضع اور اخلاص کی بھی کوئی حد ہے۔

اگر یہی واقعہ آج کے روایتی خاندانی مشائخ کے یہاں پیش آتا تو معلوم نہیں عرش و فرش کے تانے بانے کہاں سے کہاں چلے جاتے۔

أُولٰٓئِكَ اٰبَآئِیْ فَجِئْنِیْ بِمِثْلِهِمْ

إِذَا جَمَعَتْنَا یَا جَرِیْرُ الْمَجَامِعُ

(یہ ہمارے اسلاف ہیں جن کی نظیر کسی بھی وقت پیش تو کرو)

پھر حضرت مولانا نے سیرِ تسبیح کی کوئی تاویل بھی نہیں فرمائی اور نہ اس کی ضرورت سمجھی ہم بھی خاموش ہو گئے۔

خوانِ نعمت

شمالی ہند (یو، پی) کے عام مسلمانوں کا دینی اور اسلامی مزاج تھا یہاں مدارس اور مساجد کی کثرت ہے۔ ہندوستان کے اس شمالی منطقہ میں اہل علم حضرات کی بے پایاں خدمات ہیں۔ اس ملک میں اسلام کی بقا اور اس کا استحکام انہی مدارس دینیہ کا فیض سمجھا جاتا ہے۔ یہ ایک ایسا کارنامہ ہے جس سے بیرون ہند کے اسلامی ممالک

خالی نظر آتے ہیں۔ اِلَّا مَاشَآءَ اللہُ۔

یہاں دینی مدارس کی خدمت کو بڑی سعادت اور عزّت سمجھا جاتا ہے قصبہ شاملی کے اس چھوٹے سے مدرسہ کو اہل محلّہ بڑی عزّت کی نظروں سے دیکھا کرتے تھے اس مدرسہ میں دارالاقامہ (بورڈنگ) قسم کا کوئی انتظام نہ تھا۔ دیہات کے عام مدارس کی طرح اس مدرسہ کا نظم ونسق اہل محلّہ کے خصوصی تعاون پر چلا کرتا تھا۔ اہل محلّہ مدرسہ کے طلبہ کا دو وقتی طعام اپنے ذمّے لیا کرتے ہیں اوراس کی صورت یہ تھی کہ محلّے کے سات گھر ایک طالب علم کے لئے مقرر کردئے جاتے ہیں۔ طالب علم ہر روز ایک گھر میں صبح وشام کا طعام تناول کرلیا کرتا ہے یہ ایک ایسا مفید اور ایثاری نظام ہے جس سے سینکڑوں طلبہ مستفید ہوا کرتے ہیں، ہفتے میں صرف ایک دن ایک طالب علم کے لئے دو وقتی طعام کا انتظام کردینا کسی بھی حیثیت والے کو بھاری نہ تھا۔ بہرحال حیدرآباد کے یہ دو طالب علم جب داخلِ مدرسہ ہوئے تو معمول کے مطابق ہرایک کے لئے سات سات گھر مقرر کردئے گئے کہ ہر روز ایک ایک مکان میں تناول طعام ہوگا۔ نووارد طالب علم کے لئے یہ ایک ایسا غیرمانوس اجنبی عمل تھا جس کے تصوّر سے وحشت سی محسوس ہونے لگی۔ لیکن کیا کرتے؟ تحصیل علم کی منزل کچھ اس سے اعلیٰ وارفع حیثیت والی تھی ہفتے کے یہ سات تلخ گھونٹ برداشت کرلئے گئے۔ لیکن بہت جلد معلوم ہوگیا کہ جس اخلاص واکرام سے طالب علم کو کھلایا پلایا جاتا ہے وہ کسی دربارِ شاہی مہمانوں کو بھی نصیب نہ ہوگا۔

بڑا لطف آتا تھا ہر روز نیا گھر، نیا اکرام، نیا طعام، گویا خوانِ نعمت ہے جو ہر روز آسمان سے اُتر رہا ہے، اور بعض مخلصین ایسے بھی تھے کہ ایک دن

پہلے پوچھ لیا کرتے تھے کہ آپ کل کیا کھائیں گے؟ پھر اسی کا انتظام کر دیا کرتے۔ ہفتے کے ساتؔ گھروں میں کم از کم دو۲ کرم فرما اس قسم کے ضرور رہے ہیں۔ اُستاذ محترم بھی وقتاً فوقتاً ان کرم فرماؤں کا جائزہ بھی لے لیا کرتے تھے، ایک مخلص میزبان نے ایسے ایک موقعہ پر مؤدبانہ عرض کر ہی دیا۔

"حضرت اِن طالب علموں کے طفیل میں ہفتے میں یکبار ہمارے گھر کے بچوّں کو بھی اچھا کھانا مل جاتا ہے۔ یہ طالب علم ہمارے گھروں کی برکت ہیں۔"

اللہ اللہ کیسے مخلص انسان تھے۔ فَجَزَاهُمُ اللّٰهُ خَيْرَ الْجَزَاءِ

بہرحال قصبہ شاملی کے اس ابتدائی مدرسہ میں ہمارے خورونوش کا یہ خوانِ نعمت تھا فراغتِ علم کے تقریباً تیس۳۰ سال بعد اسی قصبہ میں جانا ہوا۔ استاذ محترم سے ملاقات کا شرف پایا خصوصی دُعاؤں سے سرفراز ہوا قصبہ کے بعض میزبانوں کے گھر بھی گیا سوائے ایک نجار خاندان کی بُوڑھیا اور کسی کو نہ پایا سب اللہ کو پیارے ہو چکے تھے، اس بوڑھی خاتون نے خوب پہچان لیا لیکن وہ بینائی سے معذور ہو چکی تھی، کچھ دعائیں لے کر اور کچھ دیگر واپس لوٹا۔ استاذ محترم بھی ضعیف ہو چکے تھے۔ خیر خیریت کے بعد اپنی تالیفی مشغولیت کا تذکرہ کیا بیحد مسرور ہوتے۔ آنکھوں میں خوشی اور مسرّت کی چمک پیدا ہوئی۔ "کتاب "ہدایت کے چراغ" کا مسوّدہ مکمل ہو چکا تھا۔ تفصیلات بیان کیں اور یہ بھی اطلاع دی کہ دہلی کے ربّانی بک ڈپو والوں کے حوالہ کر آیا ہوں۔ انشاء اللہ بہت جلد زیورِ طباعت سے آراستہ ہو جائے گی۔ انشاء اللہ آئندہ سال حاضرِ خدمت ہوں گا اور کتاب کا پہلا ہدیہ جناب والا ہی کی نذر ہو گا۔ (یہ خیال تک نہ آیا کہ آیندہ سال ملاقات نصیب نہ ہو گی)، بیحد مسرور ہوئے کسی بھی استاذ کی خوشی و

مسرت کی اس وقت کوئی حد نہیں ہوتی جب اس کا کوئی شاگرد عالم اور مصنّف بن کر سامنے آئے وہ اپنی محنت کا ثمرہ آنکھوں سے دیکھکر باغ باغ ہو جاتا ہے، ایسی ہی کچھ کیفیت استاذ محترم کی رہی بہت ساری دعائیں دیں، میں نے مؤدبانہ طریقے سے کچھ نذرانہ حضرتِ استاذ اور کچھ اماں جی صاحبہ کے نام نامی پیش کیا، فرمایا تمہارا ہدیہ تو کتاب ہی ہوگی یہ رہنے دو۔
میں نے عرض معروض کی کہ حضرت عرصۂ دراز کے بعد حاضری کی سعادت ملی ہے فی الحال یہ حقیر نذرانہ قبول فرمالیں؟ آپ نے قبول فرمالیا اور دعا دی۔
بہر حال تقدیر الٰہی کا فیصلہ نافذ ہو چکا تھا سال گزرنے بھی نہ پایا تھا کہ ۱۷ فروری ۱۹۸۶ء کو دار دنیا سے کوچ کیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ط۔
اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَہٗ وَارْحَمْہُ وَاَکْرِمْ نُزُلَہٗ وَوَسِّعْ مَدْخَلَہٗ۔
اب انشاء اللہ آخرت ہی میں کتاب "ہدایت کے چراغ" کا نذرانہ پیش ہوگا۔

ایک نووارد عالم

الغرض یہ ایک ضمنی بات آگئی میں قصبہ شاملی کا ذکر کر رہا تھا قصبہ کے اس چھوٹے مدرسہ میں جس کے صرف دو حیدرآبادی طالب علم تھے بڑے ذوق وشوق سے اپنی تعلیمی سرگرمی میں مشغول رہا کرتے تھے جیسا کہ گزشتہ اوراق میں لکھا گیا ہے کہ ہر روز اپنے پڑھے ہوئے درس کا دوبارہ اعادہ کیا جاتا تھا جس کو مدرسہ کی زبان میں "تکرار" کہا جاتا ہے ایسے ہی ایک موقعہ پر جامع مسجد کے صحن میں بیٹھے ہوئے تکرار کا سلسلہ جاری تھا ایک نوجوان عالم جو اپنی وضع قطع میں امیر کبیر معلوم ہو رہے تھے اچانک تشریف لائے اور ہماری تکرار سننے لگے جب ہم فارغ ہوگئے تو دعا و سلام کے بعد ہمارا تعارف حاصل کیا اور ہماری بڑی ہمت افزائی کی۔

جامع مسجد کی پیشانی پر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ" کا خوبصورت کتبہ چسپاں تھا اس کی جانب اشارہ کر کے ہم سے ایک سوال کیا۔

بچو! آج کے دور میں اگر کوئی شخص اپنی خدائی کا دعویٰ کرے کہ میں ربّ العلمین ہوں

دوسرا اپنی رسالت کا دعویٰ کرے کہ میں اللہ کا نبی و رسول ہوں

بھلا بتاؤ تو اِن دونوں میں کس کا فتنہ شدید تر ہوگا؟

یہ سوال ہمارے لئے بالکل نیا تھا اور نہ اس پر غور کرنے کا کبھی اتفاق ہوا تھا علاوہ ازیں یہ ہمارے ابتدائی دورِ تعلیمی کا زمانہ بھی تھا، ابھی نظر و فکر بھی تو پختہ نہ تھی۔ اس سوال پر ہم ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ اس پر ذرا بلند آواز سے پوچھا کیا تم اتنی بات سمجھ نہیں پاتے؟ پھر سوال دُہرایا، میں نے ہمّت کر کے جواب دیا، حضرت ظاہر ہے جو شخص خدائی کا دعویٰ کرتا ہے اس کا فتنہ شدید تر ہوگا۔ میرے ساتھی نے بھی ایسے ہی کہا!

فرمایا ایسا نہیں بلکہ جو رسالت و نبوّت کا دعویٰ کرتا ہے اس کا فتنہ شدید تر ہوگا۔ پھر اس کی تشریح کی کہ دیکھو جو خدائی کا دعویٰ کرتا ہے اس کو تو صرف ایک منٹ میں چت کیا جا سکتا ہے وہ اس طرح کہ اس سے پوچھا جائے ٹھیک ہے جب تو خدا ہے تو اس مُردے کو زندہ کر دے؟ یا دن کو رات بنا دے؟ یا سورج کو مغرب سے طلوع کر؟ وغیرہ وغیرہ۔ اس قسم کے دس مطالبے کر کے اسکو توبہ کرنے پر مجبور کر دیا جائے گا یا وہ سوائے اُٹھ بھاگنے اور کوئی راہ نہ پائے گا۔

لیکن جو نبوّت کا دعویٰ کرتا ہے وہ دلیل اور حجّت کے دلدل میں خود بھی پھنسا ہے اور دوسروں کو بھی پھنسا دینے کے چکر میں رہتا ہے اور کسی بھی

بات کو تسلیم کرنے تیار نہیں ہوتا اس سے بھولے بھالے مسلمان شک و شبہ میں مبتلا ہوجاتے ہیں اس طرح اس کا فتنہ شدید ہوجاتا ہے یہی وجہ ہے کہ دنیا میں خدائی کے دعوے دار نظر نہیں آتے۔ لیکن نبوّت و رسالت کا دعویٰ کرنے والے بکثرت رہے ہیں۔ بات معقول تھی ہم نے تسلیم کرلیا اور مولوی صاحب تشریف لے گئے۔

دو تازہ مثالیں

ماضی قریب میں لاہور (پاکستان) کے غلام احمد قادیانی اور حیدرآباد دکن (انڈیا) کے محمد صدیق دیندار جن کا اپنا خانہ زاد لقب (چَنْ بِسْ وِسْ وَرْ) تھا زندہ مثالیں ہیں دونوں نے بھی نبوّت کا دعویٰ کیا ہے۔ سینکڑوں نہیں ہزاروں مسلمان ان کا کلمہ پڑھکر اسلام سے خارج ہوگئے ہیں۔

میرے بچپن کا واقعہ ہے نظامِ دکن دورِ آصفجاہی کا آخری زمانہ تھا مؤخرالذکر چنْ بسْ وِسْ وَر کبھی کبھی ہمارے محلّے عنبرپیٹ کی جامع مسجد میں نماز کیلئے آجایا کرتے تھے، غالباً میری عمر اُس وقت آٹھ دس سال ہوگی میں ہر روز اس مسجد میں نماز کیلئے آیا کرتا تھا۔ مسجد کی خدمت کا بھی شوق تھا کبھی صفائی کردیتا۔ کبھی وضو کے لوٹے پانی سے بھر کر رکھدیا کرتا۔ موقع ملتا تو اذان بھی پڑھ دیتا۔ میرے اس ذوق و شوق کو وہ دیکھا کرتے تھے ایک دن بڑی محبت و پیار سے مجھکو اپنے ساتھ چلنے اور پڑھنے پڑھانے کی ترغیب دی اور یہ بھی کہا کہ ہم تم کو بہت بڑا عالم بنادیں گے، اگر تم راضی ہو تو تمہارے والدین سے اجازت لے کر ہیں خود تم کو اپنے ساتھ رکھوں گا وغیرہ وغیرہ۔

ترغیبات کی ایک لمبی چوڑی فہرست تھی جواب پوری طرح یاد نہیں، اب غور کرتا ہوں تو سوائے اس کے اور کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی کہ اللہ عظیم کی مرضی اور

مشیت اس کے خلاف تھی ورنہ ترغیبات کچھ اس قسم کی تھیں کہ ایک کمسن کو اس دلدل میں کود پڑنا کچھ مشکل نہ تھا۔

اَلحَمدُ للهِ الذی ھَدَانا لِھٰذا وَمَاکنّا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ

الغرض جامع مسجد قصبہ شاملی کا وہ واقعہ ذکر کر رہا تھا جس کے صحن میں بیٹھکر ہم سبق کا تکرار کر رہے تھے اور وہ نووارد عالم صاحب ہم سے دعویٰ الوہیت اور دعویٰ نبوّت کا فرق بیان کر رہے تھے بعد میں معلوم ہوا کہ یہ صاحب مولانا ارشاد احمد صاحب دارالعلوم دیوبند کے مبلّغ اور نمائندہ تھے جو بعد میں رئیس المبلّغین کے عہدے پر فائز ہوئے اور جو ہندوستان میں باطل و گمراہ فرقوں سے بحث و مباحثہ اور ان کے فتنوں سے مسلمانوں کو بچانے میں نمایاں خدمات انجام دے رہے ہیں۔ یہ عجیب تربات ہے کہ راقم الحروف جب علم دین کی تحصیل سے فارغ ہوا اور اپنے وطن شہر حیدرآباد دکن میں اپنی علمی و تبلیغی خدمات کا آغاز کیا اور یہ ۱۹۶۰ء کے بعد کا زمانہ ہے تو ایک موقعہ ایسا بھی آیا کہ شہر میں شرک و بدعات کی تردید اور توحید و سنّت کی ایک مستحکم تحریک کا افتتاح کیا گیا تو انہی رئیس المبلّغین کے ہاتھوں اس کا "افتتاح" عمل میں آیا تفصیلات آئندہ اوراق میں آرہی ہیں۔

چون و چرا تحصیل علم کا ابتدائی دور بڑا اہم اور اساسی حیثیت رکھتا ہے آئندہ کی تعمیر اسی بنیاد پر قائم و دائم رہی ہے جن طلبہ کی ابتدائی تعلیم غیر مستحکم ہوتی ہے وہ ہمیشہ احساس کمتری کا شکار بنے ہیں۔ ان میں جرأت بے خوفی، حاضر جوابی، حقیقت شناسی کا فقدان رہا ہے۔ استاذ محترم نے ہمیں ایک اہم نکتہ تفہیم کیا تھا فرمایا کرتے تھے۔ (فارسی زبان کا مشہور مقولہ ہے۔)

"مرید یکے چوں و چرا می کند و شاگرد یکے چوں و چرا نمی کند۔

"ہر دو را چراگاہ باید فرستاد"

جو مرید کہ اپنے شیخ و مرشد کی تعلیمات میں چوں وچرا کرے (ایسا کیوں ایسا کیوں نہیں ؟) اور جو شاگرد کہ اپنے استاذ سے چوں وچرا کرے یہ ہر دو جانور ہیں انھیں چراگاہ (جنگل) بھیج دیا جانا چاہیئے۔

مطلب یہ کہ پیری و مریدی کا رشتہ صرف اطاعت وانقیاد کا ہوتا ہے اس میں اپنے شیخ سے کیوں اور کیسے پوچھنا خلاف معاہدہ ہے اور شاگرد کا رشتہ چونکہ بحث ومباحثہ کا ہے اس میں غور وفکر کے علاوہ تحقیق اور تدقیق پسندیدہ عمل ہیں اس لئے شاگرد کو سوال کرنا ضروری ہے ورنہ علم کی منزلیں طے نہ ہونگی۔ اگر دونوں اپنے اپنے منصب کا حق ادا نہ کریں تو وہ جانور صفت ہیں انسانی زندگی سے انھیں دور ہو جانا چاہیئے۔

معلوم نہیں یہ کس دانا حکیم کا قول ہے بہر حال بات پُر حقیقت ہے طالبعلم کے مزاج میں اگر تحقیق اور جستجو نہ ہو تو ظاہر ہے وہ دین کی حکمتوں اور اس کی مصلحتوں سے بے نصیب رہے گا۔ استاذِ محترم نے ہمیں اسی راہ نما اصول پر تربیت فرمائی۔

ایک موقعہ ایسا بھی آیا کہ علم الفقہ کی مشہور کتاب "قدوری" کے درس میں دو چار مقامات پر استاذِ محترم سے چون وچرا کر ہی دیا، اب پوری طرح وہ مقامات یاد نہیں ہیں۔ البتہ یہ خوب یاد ہے کہ اس کے کچھ عرصہ بعد دارالعلوم دیوبند کے شیخ الادب والفقہ مولانا اعزاز علی صاحبؒ جو ہمارے استاذِ محترم کے استاذِ محترم ہیں قصبہ شاملی کے نواح تشریف لائے واپسی پر ہمارے مدرسہ میں قیام فرمایا لیکن وقت بہت مختصر تھا اور پھر عوام الناس کا ہجوم بھی بہت تھا استاذِ محترم نے حضرت شیخ الادب سے "قدوری" کے وہ مقامات جہاں میں نے چوں وچرا کی تھی تحقیق کر لینے کے بعد ارشاد فرمایا۔ میں کتاب لے کر حاضر ہوا لیکن پوچھنے کا موقعہ نہ

مل سکا۔ حضرت شیخ الادب آگے سفر کیلئے بس اسٹینڈ پہنچ گئے۔ یہاں اہل قصبہ کا اور زیادہ ہجوم ہو گیا۔ کسی طرح قریب ہو کر اپنے شکوک وشبہات بیان کرنے لگا جیسا کہ میں نے کہا ہے وقت بہت تنگ تھا گاڑی کو روانہ ہونے میں صرف چند ہی منٹ باقی تھے اچانک استاذِ محترم خود آگے بڑھے اور میرے ہاتھ سے کتاب لیکر حضرت شیخ الادب سے اُن مقامات کو حل کرلیا۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ استاذِ محترم کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے۔ کتاب کا کوئی مسئلہ تشنہ نہ چھوڑا۔ حضرت شیخ الادب کی واپسی کے بعد دوسرے دن درسگاہ میں ان مقامات کی تفہیم وتشریح کردی۔ اَللّٰھُمَّ نَوِّرْ قَبْرَہٗ۔

آج کے اساتذہ کرام کے لئے استاذِ محترم کا یہ عمل "اسوۂ حسنہ" کی حیثیت رکھتا ہے، علم کا کتمان یا اس کی ناتمام وضاحت جہاں خود کیلئے علمی خیانت ہے وہاں طلبہ کے علمی نشو ونما میں مضر اثرات بھی پیدا کردیتی ہے۔ اَللّٰھُمَّ عَلِّمْنَا الْکِتَابَ وَفَقِّھْنَا فِی الدِّیْنِ۔

میری ابتدائی تعلیم انہی اصول پر نہایت مستحکم تھی استاذ محترم تفہیم وتشریح میں جب تک مطمئن نہ ہو جاتے اپنی تقریر جاری رکھتے اور پھر کبھی کبھی اثنائے تقریر دریافت بھی کرتے "کیا سمجھے ہو"؟ یہ سوال ہم پر بڑا بھاری پڑتا تھا۔ ادائے جواب میں ذرا بھی جھول محسوس کرتے تو غضبناک ہو جاتے۔

جورِ استاذ بہ زمہرِ پدر

استاذ کا غضب ماں باپ کے پیار ومحبت سے کہیں بہتر ہے۔

اَللّٰھُمَّ بَرِّدْ مَضْجَعَہٗ۔

میرا تیسرا تعلیمی سفر

قصبہ شاملی کے ابتدائی مدرسہ کے پانچ سالہ نصاب کی تکمیل کے بعد والدین سے ملاقات کیلئے وطن آیا۔ کایا پلٹ چکی تھی وہ جس کو سلیقے سے بات تک کرنا نہ آتا تھا سراپا وعظ وارشاد تھا گھر کے انگریزی ماحول میں اسلامی تہذیب وتمدن کا چلتا پھرتا نمونہ دیکھکر والدین کا دل باغ باغ ہوا جاتا تھا دو۲ ماہ کی چھٹی گزار کر بغیر کسی گزارش شفارش اعلیٰ تعلیم کی تکمیل کیلئے روانہ کر دینا طے کر دیا گیا۔

خدائی فیصلے اس طرح غالب ہوا کرتے ہیں وہ جس کو کل پولس کی نگرانی میں پردیس سے دیس لایا گیا تھا آج والدین اور عزیز واقارب کی الوداعی تقریب میں حیدرآباد سے دہلی روانہ کر دیا گیا۔

حیدرآباد ریلوے اسٹیشن پر اہل خاندان کا ہجوم اپنی زندگی کا پہلا منظر تھا جو خاندان کے پہلے دینی طالب علم کو الوداع کرنے جمع ہو گیا تھا، سب کی آنکھوں میں خوشی ومسرت کے آنسو اُبھر اُبھر آرہے تھے اور والدین کا دل باغ باغ ہو رہا تھا کہ زندگی ہی میں "صدقۂ جاریہ" کا سامان پیدا ہو رہا ہے۔ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا۔

میرا یہ تیسرا تعلیمی سفر تھا جو اعلیٰ تعلیم کیلئے خوشگوار اور پرسکون حالات میں ہو رہا تھا۔ دہلی پہلی منزل تھی جہاں سے ضلع سہارنپور کے مدرسہ مظاہر علوم میں داخل ہونا تھا۔

اگرچہ (یو،پی) میں اور بھی مشہور زمانہ مدارس تھے لیکن میرے مستقبل نے یہ ثابت کر دیا کہ استاذِ محترم مولانا محمد اسلام صاحبؒ کا یہ الہامی انتخاب تھا مدرسہ مظاہر علوم (سہارنپور) اور دارالعلوم (دیوبند) اگرچہ تاسیسی لحاظ سے ہم عمر اور ہم کردار ادارے ہیں لیکن دونوں مدرسوں کا ماحول مختلف رہا ہے۔

دارالعلوم دیوبند اپنے آغاز کے بعد اسلامی سیاست کا مرکز بھی رہا ہے جہاں قرآن و حدیث کی ضیا پاشیوں کے علاوہ سیاست کا زور و شور بھی کامیابی سے شانہ بشانہ چلا ہے اور جہاں تاریخ ہند کی سب سے بڑی جنگ "جنگ آزادی" کے قائد و رہنما پیدا ہوئے ہیں اور جن کی اپنی آپسی حکمتِ عملی اور ذہنی و فکری اجتہاد نے برِعظیم پر ایک اسلامی ریاست (پاکستان) کو جنم دیدیا۔ ایک جانب شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحبؒ تھے تو دوسری جانب شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اللہ ان ہر دو کو اعلیٰ علیین میں عزت دے۔ آمین۔

مدرسہ مظاہر علوم (سہارنپور) کا طبعی مزاج گوشہ نشینی، خاموش خدمتِ علمی اور یکسوئی کی جانب مائل تھا یہاں نہ جلسے جلوس نہ استقبالات اور نہ ہی وفود و شاہی مہمانوں کی آمد و رفت، گویا ایک شہر خموشاں تھا، اسی شہر خموشاں کے دُرِ یتیم محدث کبیر مولانا خلیل احمد صاحبؒ، شارحِ ابوداؤد اور صوفی صافی شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ مزاج مظاہر علوم کے شاہدِ عدل ہیں۔

آپ کے اس خادم کا مزاج بھی کچھ ایسے ہی گوشہ نشینی اور پُرسکون قسم کا تھا مدرسہ مظاہر علوم کا یہ ماحول میرے لئے طَابَقَ النَّعْلُ بِالنَّعْلِ ثابت ہوا۔ اللہ استاذِ مرحوم کو اعلیٰ علیین نصیب کرے بڑا ہی مناسب اور موافقِ طبع انتخاب فرمایا۔ ماحول کی یکسوئی، اساتذہ کرام کی یکجہتی اور اپنی طبیعت کی گوشہ نشینی، یہ کچھ ایسے اسباب تھے جس نے تحصیلِ علم کی منزل کو بہت ہی قریب کر دیا۔

مدرسہ مظاہر علوم

ماہِ شوال ۱۳۷۲ھ مطابق ۱۹۵۳ء مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور (یو۔پی) آیا اور بحمد للہ شعبان ۱۳۷۷ھ مطابق ۱۹۵۸ء تحصیل علم سے فراغت حاصل کی یہ چند سال میری حیاتِ دنیا کا وہ قیمتی سرمایہ ہیں جس نے مستقبل میں خدمتِ دین و اسلام کیلئے سب کچھ مہیّا کر دیا۔

فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ
وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ط

میرا یہ تعلیمی دور اکابر ملت کا آخری دور سمجھا جاتا تھا اس وقت برصغیر ہند و پاک کے نامی گرامی علماء میں چند ایک ہی باقی رہ گئے تھے اور جن کی ذوات نے برصغیر کے مسلمانوں کے لئے باقیات الصالحات کی حیثیت اختیار کرلی تھی، یہ حضرات علم و عمل تقویٰ و طہارت کے روشن مینار تھے جن سے اسلام و ایمان کی شعاعیں اقصائے عالم تک پہنچ رہی تھیں۔

(۱) شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ (۲) شیخ العرب والعجم مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ (۳) مفتیٔ اعظم مولانا کفایت اللہ صاحبؒ (۴) شیخ الادب والفقہ مولانا اعزاز علی صاحبؒ (۵) شیخ الاسلام مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ (۶) شیخ التفسیر مولانا محمد ادریس صاحبؒ کاندھلویؒ (۷) مفتی اعظم مولانا سعید احمد صاحبؒ (مظاہر علوم) (۸) استاذ الاساتذہ مولانا عبداللطیف صاحبؒ (مظاہر علوم) (۹) مفتیٔ اعظم مولانا محمد شفیع صاحبؒ (پاکستان) (۱۰) مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ الٰہ آبادی۔ (۱۱) مولانا محمد حسن صاحب امرتسریؒ (۱۲) امیر جماعت تبلیغی مولانا محمد یوسف صاحبؒ (۱۳) شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ (۱۴) فخر الاسلام حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحبؒ (۱۵) حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ مہتمم دار العلوم دیوبند (۱۶) حضرت مولانا شاہ مسیح اللہ خاں صاحب مدظلہ (جلال آباد یو، پی) (۱۷) حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب مدظلہ (ہردوئی) یو، پی)

ان سطور کی تحریر ۱۹۹۲ء تک مؤخر الذکر دونوں بزرگوں کا شمار اس سلسلۃ الذہب کی آخری کڑی سمجھی جاتی ہے اب یہ اسی بزم اکابر کی آخری یادگار ہیں۔ "اَللّٰهُمَّ مَتِّعْنَا بِطُوْلِ بَقَآءِهِمْ" ہندو پاک کا کوئی مدرسہ کوئی ادارہ اور دینی و اسلامی تحریک

ایسی نہیں جس میں ان حضرات کے فیض یافتہ کا واسطہ یا بلاواسطہ عمل دخل نہ رہا ہو۔ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ ؕ

ان اکابر ملت میں بعض میرے اساتذہ بھی ہیں اللہ تعالیٰ ان سب کو جنت الفردوس کے اعلیٰ مناصب سے سرفراز کرے۔ آمین۔

جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور کا طبعی اور اساسی مزاج خاموش خدمت تھا۔ اس وجہ سے اس پُرسکون ماحول میں تحصیل علم کیلئے بہت بڑا میدان ہاتھ آیا، ماحول کی اس پُرسکونی کے علاوہ اساتذہ کرام کی خصوصی عنایات و توجہ اور منتظمین مدرسہ کا پاس و لحاظ نے حصولِ علم کو مزید آسان بنا دیا، علمی ذوق و شوق تو بحمد للہ طبعًا نصیب تھا، طلب و جستجو، تحقیق و تدقیق، بحث و مناظرہ اور سب سے اہم اوقات کی قدردانی نے دُنیا و مافیہا سے بہت حد تک دُور کر دیا، مہینوں گزر جاتے۔ سیر و تفریح تو در کنار بازاروں کی گشت بھی نہ ہونے پاتی،

اس مدرسہ میں میرے رفیق مولوی عبدالعزیز صاحب حیدرآبادی بھی ساتھ تھے یہ مدرسہ اشرف المدارس ہردوئی (یو، پی) کے ذہین و فہیم طالب علم سمجھے جاتے تھے اعلیٰ تعلیم کے لئے یہ بھی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور روانہ کئے گئے اس طرح ایک حقیقی طالب علم کی رفاقت بھی نصیب رہی۔

ناظم مدرسہ مولانا عبداللطیف صاحبؒ نے بغیر کسی سفارش و گذارش ہم دونوں کیلئے مدرسہ کے دارالاقامہ میں ایک مستقل حجرہ مختص کر دیا جو دیگر طلبہ کے لئے باعثِ رشک اور قابلِ اعتراض بھی قرار پایا۔ دارالاقامہ (بورڈنگ) کے قواعد و ضوابط کے تحت عام طور پر ایک حجرے میں کم از کم پانچ سات طلبہ کو جگہ دی جایا کرتی تھی، بعض بنگالی طلبہ نے ہماری اس خصوصیت پر ناظمِ مدرسہ سے شکایت کی

لیکن ناظم مدرسہ نے سب کو یہ کہکر خاموش کردیا کہ مدرسہ میں طلبہ کو حسب مراتب جگہ دی جاتی ہے کسی کو اعتراض کی اجازت نہیں۔

لیکن کچھ ہی عرصہ بعد یہی طلبہ نے ہمارے اس اختصاص کو تسلیم کرلیا۔ ہماری بود و باش، رفتار گفتار، اخلاق و کردار، لیل و نہار دیگر طلبہ سے بالکل مختلف تھے نہ ہماری کوئی سوسائٹی تھی نہ دوست و احباب کا جمگھٹا، حجرے میں ہوتے تو صرف دونوں، باہر نکلتے تو صرف دونوں، دوڑ کا میدان تھا تو صرف درسگاہ۔ اس طرح عام طلبہ میں خصوصی نظروں سے دیکھے جانے لگے، علاوہ ازیں میرے ساتھ مولوی عبدالعزیز صاحب اسباق کی تکرار (جس کا تذکرہ گذشتہ اوراق میں آچکا ہے) میں ایک خصوصی شان رکھتے تھے، استاذ کی تقریر و تفہیم کو من وعن نقل کردیا کرتے تھے۔ جس سے دن کے اسباق کا رات میں اعادہ ہو جایا کرتا تھا، تکرار کی اس مجلس میں طلبہ کی کثیر تعداد شریک ہوا کرتی تھی چند ہی ہفتوں میں ہماری یہ مجلس تکرار مستقل درسگاہ کی حیثیت اختیار کرلی۔ رات دیر گئے یہ سلسلہ جاری رہتا تھا اور طلبہ ذوق و شوق سے شریک ہوا کرتے تھے۔

ایک سال بھی گزرنے نہ پایا تھا کہ ہم عصر طلبہ ہم کو عزت و اکرام کی نظروں سے دیکھنے لگے اور ہماری تکرار والی خدمت کو اپنے لئے ایک نعمت اور فضل الٰہی محسوس کرنے لگے۔

اساتذہ کرام بھی درسگاہ میں ہم کو پہلی صف میں جگہ دیا کرتے تھے اس طرح ان حضرات کی عنایات اور خصوصی توجہات سے خزائن علمی کے ابواب کھلتے چلے گئے اور علم کا ہر شعبہ پوری حقیقت اور بصیرت سے نصیب ہونے لگا۔

ایک علمی کرامت

البتہ علوم اسلامی کے اس ذخیرے میں "علم منطق" ایک ایسا علم تھا جس سے طبیعت کو مناسبت ہی نہ ہوتی

تھی اور نہ یہ علم سمجھ میں آتا تھا اس فن میں چار چھ کتابیں پڑھ چکا تھا لیکن پھر بھی وابستگی پیدا نہ ہوسکی ایک دن اپنی اس مشکل کو اپنے میزبان استاذ حضرت مولانا سید ظہور الحسن صاحبؒ سے عرض کیا حضرت موصوف نے اپنے ہاں اس علم کے چند اسباق پڑھنے کا مشورہ دیا بعد نماز مغرب حضرت نے اپنے مکان پر درس منطق شروع کیا دو تین ہفتے بھی گزرنے نہ پائے تھے کہ علم منطق اتنا آسان اور عام فہم ہوگیا کہ اب کوئی مشکل باقی نہ رہی "کرامت علمی" کا لفظ کتابوں میں پڑھا تھا وعظ و تقریروں میں بھی سنا تھا لیکن اس کا مشاہدہ اور تجربہ زندگی کا یہ پہلا واقعہ تھا۔ حضرت استاذ کی تفہیم کے بعد علم منطق صرف آسان ہی نہیں بلکہ ایسا پسندیدہ اور دلچسپ علم ہوگیا کہ اس کا ہر نیا درس مزید طلب و خواہش کا ذریعہ بنا فللہ الحمد علم منطق کی اس دلچسپی سے مزاج میں ایک نیا تغیر پیدا ہونے لگا۔ بحث و مباحثہ، مکالمہ و مناظرہ کی جانب میلان بڑھنے لگا اسی سلسلے میں "مجلس علمی" کی بنیاد رکھنے کا داعیہ پیدا ہوا چنانچہ ایک مجلس جس میں اکثریت صوبہ بہار کے طلبہ کی تھی قائم کی گئی جس کا بنیادی مقصد وعظ و تقریر کی عملی مشق کرنا اور اپنے مافی الضمیر کو عمدہ طریقے پر ظاہر کرنا تھا۔ ہر جمعرات کو بعد نمازِ عشاء اس مجلس کا انعقاد ہوا کرتا تھا، اور طلبہ مختلف عنوانات پر تقریر کیا کرتے۔ یہ ایک عملی مشق تھی۔ جو آئندہ زندگی کے منصب میں ممد و معاون ثابت ہوئی۔ فللہ الحمد والمنۃ۔

جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے میرا ابتدائی تعلیمی زمانہ اکابر ملت کا آخری دور سمجھا جاتا تھا۔ جن دنوں ہم مدرسہ مظاہر علوم پہنچے ہیں اس وقت استاذ العلماء مولانا عبداللطیف صاحبؒ ناظم مدرسہ تھے حضرت موصوف کا یہ آخری زمانہ تھا ضعف اور پیرانہ سالی کی وجہ سے تدریسی سلسلہ بند رکھا تھا۔ مدرسہ کے صرف

انتظامی امور دیکھ لیا کرتے تھے، لیکن ہم دو حیدرآبادی طالب علم کی خواہش پر ترجمۂ قرآن کا درس شروع فرمایا۔ جس میں بعض دوسرے طلبہ بھی شریک ہوگئے، یہ ایک ایسی نعمت تھی جو اکثر ہم عصر طلبہ کو میسر نہ ہو سکی، تحصیل علم میں "سلسلۂ اساتذہ" بڑی اہمیت رکھتا ہے احادیث سے بھی اس نظریہ کی تائید ملتی ہے۔ احادیث صحیحہ میں یہ مضمون ملتا ہے کہ یہ علم دین ہے اور تم اس بات کو اچھی طرح غور کرلو کہ یہ دین کس سے حاصل کیا جارہا ہے (الحدیث) شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ جو میرے استاذِ حدیث ہیں، حضرت استاذ العلماء مولانا عبداللطیف صاحبؒ کے شاگردوں میں شمار ہوتے ہیں اس لحاظ سے حضرت شیخ الحدیثؒ کے استاذِ محترم میرے بھی استاذ قرار پائے، ذٰلک فضل اللہ یوتیہ من یشآء۔

مظاہر علوم سہارنپور اور دارالعلوم دیوبند

دورانِ تعلیم ایک چھوٹا سا حادثہ پیش آیا جس کا تذکرہ مدرسہ اشرف المدارس (ہردوئی) کے تذکرے سے کچھ کم نہیں (جس کی تفصیل آپ نے گزشتہ اوراق میں پڑھ لی ہے۔ جیسا کہ میں نے لکھا ہے مدرسہ مظاہر علوم (سہارنپور) میں میرے دوست مولوی عبدالعزیز صاحب بھی ساتھ تھے جن کی معیت و رفاقت میں دو سال گزرے تیسرے سال موصوف نے دارالعلوم (دیوبند) منتقل ہونے کا فیصلہ کرلیا اگرچہ ان کا علمی ذوق مدرسہ مظاہر علوم میں تکمیل پارہا تھا لیکن وہ غیر شعوری طور پر یہاں ایک قسم کی تشنگی محسوس کررہے تھے غالباً وہ تشنگی اساتذہ کرام کی تقریر و تفہیم سے متعلق تھی مدرسہ مظاہر علوم کے اساتذہ کرام عام طور پر اسباق کی تفہیم میں اختصار کو ملحوظ رکھا کرتے تھے تقریر مختصر ہوتی لیکن ایسے طور پر کہ مضمون کا منشاء و مراد واضح ہوجائے جس سے کلام کی پوری حقیقت سامنے آجاتی تھی۔

اس کے برعکس دارالعلوم (دیوبند) کے اساتذہ کرام کا طرز تعلیم عام طور پر تفصیلی اور چار جوانب ہوا کرتا تھا، کلام کے طول وعرض دراز اور بلند ہوا کرتے جس کا لازمی نتیجہ حقیقتِ کلام کے ساتھ تقریر وتفہیم کی طوالت میں ظاہر ہوا کرتا تھا یہ معرکۃ الآرا تعلیمی طرز ہمارے دوست مولوی عبدالعزیز صاحب کو بہت پسند تھا ان کی علمی طبیعت اس سے سیرابی محسوس کرتی تھی۔ (یہ تجربہ وقتاً فوقتاً دیوبند آنے جانے سے انھیں ہوتا رہتا تھا لیکن اسی بہانے مجھکو بھی اساتذۂ دیوبند کے حلقۂ درس میں شرکت کے مواقع ملے) بہرحال موصوف نے دیوبند میں داخلہ لے لیا اس طرح ایک مخلص دوست کی رفاقت جاتی رہی اور میں تنہا رہ گیا لیکن گزشتہ دو سالہ معیت ایسی نہ تھی کہ اجنبیت اختیار کرلے، گاہے گاہے وہ سہارنپور آجاتے۔ اسی طرح میں بھی کبھی کبھار دیوبند چلا جاتا۔

لیکن ہر بار موصوف کا اور میرے ایک اور دوست مولوی سید حسین صاحب کا اصرار ہوا کرتا تھا کہ دیوبند آجائیے اور یہاں اپنی تعلیم مکمل کرلیں سب ایک ساتھ ہوجائیں؛ لیکن میری طبیعت مائل ہی نہ ہوتی تھی کیونکہ مجھکو درسیات میں مختصر اور صرف مغز والی تقریر سے سیرابی ہوا کرتی تھی۔ دارالعلوم دیوبند کی معرکۃ الآرا تقاریر سے طبیعت کو مناسبت نہ ہوئی، اس طرح میں مدرسہ مظاہر علوم (سہارنپور) ہی میں مقیم رہا۔

پُر حقیقت خواب

اس طرح کچھ زیادہ عرصہ گزرا نہ تھا بات ۱۹۵۶ء کی ہے کہ ایک رات خواب آیا، میں دارالعلوم دیوبند میں ہوں کسی نے کہا حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحبؒ دارالعلوم کے "مدنی گیٹ" کے اوپر والے حجرے میں تشریف فرما ہیں۔ میں تیزی سے اوپر گیا اور دروازے پر رُک گیا۔ حضرت شیخ الہند چارپائی پر بیٹھے تھے۔ فرمایا آجایئے۔ داخل ہوکر سلام کیا

اور نیچے بیٹھنا چاہا۔ فرمایا اُوپر آ جایئے، میں چارپائی کے ایک جانب بیٹھ گیا، اب یہ یاد نہیں کہ کیا کیا ارشادات تھے میں پورے انہماک سے سُن رہا تھا کچھ دیر بعد مجھکو پیاس محسوس ہوئی کمرے کے ایک جانب نئی صراحی رکھی ہوئی تھی غیر شعوری طور پر اُس جانب دیکھنے لگا حضرت شیخ الہند نے فرمایا پینا چاہتے ہو؟ میں نے جی ہاں کہی۔ فرمایا جاؤ پی لو۔ صراحی کے مُنہ پر ایک خوبصورت کٹورا تھا۔ جب میں نے کٹورے پر صراحی جھکائی تو خالِص دُودھ نکلا، میں نے تعجب سے شیخ الہند کی جانب نظر کی فرمایا، پی لو، پی لو، بڑا لذیذ اور ٹھنڈا دودھ تھا، دوبارہ لینے کیلئے پھر آپ کی جانب دیکھا تو فرمایا تکلف نہ کرو جتنا چاہو، پی لو، میں نے سات کٹورے یکے بعد دیگرے پی لئے۔ کسی قسم کی گرانی محسوس نہ ہوئی پھر صراحی پر کٹورا رکھ دیا فرمایا اور پی لو؟ میں نے عرض کی حضرت پیٹ بھر گیا۔

فرمایا! تو پھر آ جایئے، میں آ کر اپنی جگہ بیٹھ گیا، اسی درمیان میرے ایک دوست آ گئے تھے اور وہ یہ عجیب وغریب منظر دیکھ رہے تھے وہ بھی صراحی کی جانب دیکھنے لگے، حضرت شیخ الہند نے فرمایا پینا چاہتے ہو؟ کہا جی ہاں وہ اٹھے اور اس کٹورے پر صراحی جھکائی تو پانی نکلا۔ ایک لحظہ تردّد کیا پھر پی گئے اس کے بعد حضرت شیخ الہند کی جانب دیکھا تو آپ نے فرمایا اور پی لو، انھوں نے دوبارہ صراحی جھکائی تو پانی ہی نکلا، پی لیا پھر واپس آ گئے۔ (بس ہمارا خواب ختم ہو گیا) اذانِ فجر کا وقت تھا اٹھ بیٹھا قلب پر فرحت طاری تھی نماز ادا کی، اچانک احساس ہوا کہ دونوں کا اصرار حق بجانب ہے مجھ کو دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لے لینا چاہئے۔ غالبًا میرا علمی حصّہ وہاں مقدر رہے اس خواب سے چند ماہ پہلے بھی اسی طرح کا خواب آیا تھا کہ احاطہ مولسری دارالعلوم دیوبند کے قدیم کنویں پر بانی دارالعلوم حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ نانوتوی ڈول کے ذریعہ پانی نکال کر طلبہ کے برتن بھر

رہے ہیں۔ میں نے بھی پیش قدمی کی تو مسکراتے ہوئے میرے برتن میں بھی ڈال دیا سارا کا سارا خالص دودھ تھا، بہرحال اُس دوسرے خواب کے بعد دو چار دن میں یہ تقاضا شدید ہوگیا، آخر میں نے ارادہ کرلیا کہ دیوبند چلا جاؤں لیکن اس ارادے کو مخفی رکھا کسی سے بھی مشورہ کرنا تو درکنار ذکر تک نہ کیا۔ دوسرے ہفتے دارالعلوم دیوبند پہنچا دونوں دوستوں پر اپنا خواب ظاہر کیا ویسے بھی وہ خواہشمند تھے جب میں نے اپنا فیصلہ سنایا تو بہت خوش ہوئے اور داخلہ کی کاروائی شروع کردی، اندرونِ دو یوم داخلہ مل گیا۔ قیام وطعام کا بھی انتظام ہوگیا، تیسرے دن سے اسباق میں شرکت ہوگئی۔

پہلا دن گذر گیا لیکن دل اُداس اداس تھا۔ دوسرے دن اسباق میں کچھ دلچسپی محسوس نہ ہوئی۔ ساتھیوں نے کہا ابتداء میں ایسے ہی ہوا کرتا ہے پھر مناسبت اور دلچسپی پیدا ہوجائے گی۔

تیسرے دن وہی کیفیت برقرار رہی بلکہ بیقراری کچھ زیادہ ہی محسوس ہوئی اور اپنا فیصلہ کچھ صحیح معلوم نہ ہوا لیکن اس کا اظہار کسی سے نہیں کیا۔

چوتھے دن حسبِ معمول درسگاہ گیا لیکن ہر تھوڑی دیر بعد اٹھ بھاگنے کا ارادہ ہوتا رہا ایک تو درسیات کی تفہیم وتقریر کچھ پلّے نہ پڑتی تھی دوسرے مدرسہ کی بین الاقوامی برادری کی ہمہ ہمی اور طلبہ کی کثرت، بڑے بڑے ہال طلبہ سے بھرے ہوئے۔ دل پراگندہ اور وحشت کھانے لگا۔

بعد برخاستِ مدرسہ اپنے کمرے آیا سب کے ساتھ کھایا پیا، ظہر سے پہلے طلبہ اپنے معمول کے مطابق استراحت کیا کرتے تھے میں بھی لیٹ گیا جب ساتھیوں کی آنکھ لگی اُٹھ بیٹھا اپنا بیگ سنبھالا اور دیوبند ریلوے اسٹیشن جا پہنچا خدا کی شان ریل تیار کھڑی تھی۔ گویا میرا انتظار ہو رہا تھا۔ دو گھنٹے سہارنپور

پہنچ گیا، مدرسہ میں داخل ہوا ایسا معلوم ہوا کہ راہ بھٹکا ہوا اپنی منزل پا گیا وہ ساری وحشت، اُداسی اور بے قراری غائب تھی گو یا بچہ اپنی ماں کی گود آ گیا۔ سابقہ سکون لوٹ آیا۔ مظاہر علوم سے فرار ہوئے ایک ہفتہ ہو گیا تھا نظام دارالاقامہ کے تحت ہمارا دو وقتی طعام بند ہو گیا اس کو جاری کروانے کیلئے ناظم مدرسہ مولانا اسعد اللہ صاحبؒ کے پاس جانا پڑتا تھا۔

خیر اسی میں معلوم ہوئی کہ ہیرا پھیری نہ کی جائے صاف صاف بیان کر دیا جائے۔ پھر میں نے دوستوں کا تقاضہ، اپنا خواب اور اس کی اپنی خانہ زاد تعبیر اور اپنا فیصلہ بھی سُنا دیا۔

حضرت ناظم صاحبؒ بے ساختہ ہنس پڑے فرمایا سبحان اللہ کیا کوئی بیمار خود اپنا علاج بھی کیا ہے؟ جو آپ کرنے چلے؟ صاحبزادے خواب تو سچّا ہے لیکن تم نے اس کی تعبیر غلط سمجھی، تمہارا علمی مقدر انشاء اللہ تعالیٰ مدرسہ مظاہر علوم (سہارن پور) ہی ہے۔ تم کو یہاں سے علم ملے گا اور بھرپور ملے گا۔ رہی شیخ الہند کی زیارت اور دارالعلوم (دیو بند) کا کمرہ وہ مظاہر علوم (سہارن پور) کی صورت مثالی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت شیخ الہند بھی مدرسہ مظاہر علوم کے ایک فرزند ہیں کیونکہ انکے ایک استاذ حضرت مولانا سعادت علی صاحبؒ ہیں (اپنے زمانے کے فقیہ العصر سمجھے جاتے تھے) جو مدرسہ مظاہر علوم کے سرپرست رہے ہیں۔ اس لحاظ سے حضرت شیخ الہند کا تعلق مدرسہ مظاہر علوم سے جُدا نہیں ہوا۔ چونکہ تم کو علم کا بڑا حصہ ملنے والا تھا اس لئے خواب میں مدرسہ بھی بڑا (دارالعلوم دیوبند) اور استاذ بھی (شیخ الہند) عظیم الشان حیثیت والا دکھایا گیا، احادیث میں دُودھ کی تعبیر "علم دین" بیان کی گئی ہے۔ تمہارے خواب میں اس کی بشارت ہے اور پیٹ بھر دُودھ پی لینا یہ علم کامل کی جانب اشارہ ہے۔ انشاء اللہ علم ملے گا

خالص ملے گا، بھرپور ملے گا، اور مظاہر علوم (سہارن پور) سے ملے گا۔ تم نے اچھا کیا جو واپس چلے آئے، اب آئندہ اس چکر میں نہ پڑو یکسوئی سے اپنی تعلیم جاری رکھو انشاء اللہ سب کچھ مل جائے گا۔

اس تعبیر کے بعد قلب کی کایا بالکل پلٹ گئی۔ سارے وساوس، اندیشے ختم ہوگئے۔ شروع ہی سے مزاج یکسوئی پسند تھا۔ دوستوں کا رخصت ہوجانا مزید یکسوئی کا باعث ہوا۔

پھر تو بقول مجذوبؒ

سب تمنا دل سے رخصت ہوگئی
اب تو آجا اب تو خلوت ہوگئی!

پُرحقیقت بات

حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ (ناظم مدرسہ مظاہر علوم) حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کے اجلّہ خلفاء میں شامل ہیں حضرت استاذ العلماء مولانا عبداللطیف صاحبؒ کی وفات کے بعد مدرسہ مظاہر علوم کے ناظم مقرر ہوئے اور آخری وقت تک اسی منصب پر قائم رہے جوانی میں شعر و شاعری کا خاص رجحان تھا۔ اُردو، فارسی، عربی میں بے تکلف اشعار کہہ لیا کرتے تھے۔ غیر منقسم ہندوستان کے نامی گرامی شعراء آپ کے شاگردوں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ جب کبھی ضلع سہارن پور کے نواح میں کوئی محفل مشاعرہ ہوتی تو واپسی پر یہ شعراء حضرت مولانا سے ملاقات کرنے مدرسہ مظاہر علوم حاضری دیتے اور اپنا تازہ کلام سُنا کر حضرت سے دُعائیں لیتے ایسے ہی ایک موقع پر شعراء کی ایک جماعت آئی جس میں جگر مراد آبادی مرحوم اور فنا کانپوری وغیرہ تھے مظاہر علوم آئے پھر سب نے حضرت استاذ کو اپنا اپنا تازہ کلام سنایا اور دُعالی یہ علم و ادب و شاعری کی عجیب و غریب محفل تھی طلبہ کو اسی محفل میں داخل

ہونے کی اجازت نہ تھی۔ ویسے بھی کوئی طالب علم ایسی جرأت نہیں کرسکتا تھا چونکہ حضرت ناظم صاحب کی خانگی خدمت گزاری میرے سپرد تھی میں آزادانہ آمد و رفت رکھتا تھا۔ محفل مشاعرہ برخاست ہونے کے بعد میں نے جگرؔ صاحب سے اپنا تعارف کروایا کہ میں لطیف ساجد مرحوم کا چھوٹا بھائی ہوں جگرؔ صاحب یکدم سکتے میں آگئے کہنے لگے ساجد تمہارا حقیقی بھائی ؟ میں نے کہا جی ہاں، گلے لگا لیا پھر مرحوم کے بچوں کے بارے میں خیر خیریت دریافت کی، یادِ رفتگاں سے جگرؔ صاحب کا دل بھر آیا۔

میرے ایک ہم سبق مولوی ابرار احمد بستوی جنھیں شعر و شاعری سے دلچسپی تھی۔ کہنے لگے جگرؔ صاحب میں اپنے اشعار کی آپ سے اصلاح لینا چاہتا ہوں جناب کا پتہ ؟ جگرؔ صاحب فوری بولے۔ جگرؔ۔ گونڈہ۔ اللہ اللہ دُنیاوی شہرت بھی ایک عجیب و غریب افسانہ ہے کسی بھی کونے سے جگرؔ صاحب کو خط لکھ دیا جائے تو بس اتنا پتہ کافی ہے۔ جگرؔ۔ گونڈہ (یعنی ضلع گونڈہ۔ یو، پی۔ انڈیا)

ایک لطیفہ

اپنے بچپن کا ایک واقعہ ہے۔ دورِ آصف جاہی (نظام حیدرآباد) کا زمانہ تھا۔ غالباً اس وقت میری عمر آٹھ دس سال ہوگی جگرؔ صاحب کسی سلسلہ میں حیدرآباد آئے ہوئے تھے۔ بڑے بھائی ساجدؔ مرحوم سے ملاقات کرنے ہمارے گھر تشریف لائے، دروازے پر دستک دی میں نے کہا کون ؟

بس جواب صرف اتنا ہی تھا۔ "جگرؔ" میری بچکانی زبان نے اسی لہجہ میں گُردہ، کلیجہ کہدیا، جگرؔ صاحب خاموش ہوگئے۔ باہر آکر دیکھا چار چھ حضرات خوش پوشاک، ثقہ قسم کے ہیں۔ فوری اندر آیا۔ ساجد مرحوم غسل خانے میں تھے میں نے کہا بھائی جان جگرؔ صاحب آئے ہیں بس دیر نہ لگی صرف ایک منٹ کے اندر اندر بھائیؔ صاحب نکل پڑے۔ اور بڑے استقبال سے سب کو اپنے کمرے

میں لے آئے۔ میرے تو ہوش و حواس گم ہو گئے اللہ اللہ یہ کون ہیں؟ اور میں کیا حرکت کر گیا؟ جگر میری بدتمیزی بھائی صاحب سے بیان کر دیئے گئے۔ تو میرا حشر ہو جائے گا۔ لیکن خیر گذری ایسی کوئی بات نہ ہوئی بڑے لوگوں کے حوصلے بھی بڑے ہوتے ہیں۔ میں تو اسی وقت گھر سے بھاگ نکلا تھا۔ بات دُور نکل گئی میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ کو اللہ نے دین و دنیا دونوں کی عزّت عطا فرمائی تھی علم و ادب کے علاوہ تقویٰ طہارت، اور علم مناظرہ میں کمال حاصل تھا، اسلامی گمراہ فرقوں کے علاوہ یہودیت، نصرانیت اور آریہ مذہب (مشرکین) کے بڑے بڑے پنڈتوں اور پادری صاحبان سے بے خوف و خطر مناظرہ کر لیا کرتے تھے، یہ حضرت کے عین جوانی کا زمانہ تھا جبکہ غیر منقسم ہندوستان میں آریہ سماجوں اور عیسائیوں کا زور و شور تھا۔ انگریزی حکومت یورپ سے بڑے بڑے پادریوں کو عیسائیت کی تبلیغ کیلئے ہندوستان روانہ کر رہی تھی۔ اور مسلمانوں کو عیسائی بنانے کی تحریک جاری تھی اسوقت ارضِ ہند پر صرف علماء دیوبند کی ایک جماعت تھی جو اس فتنے کی سرکوبی کیلئے میدانِ عمل میں سرگرم عمل تھی۔

مولانا اسعد اللہ صاحبؒ بھی اسی جماعت کے ایک بازو تھے، اس سلسلے میں عجیب و غریب معرکے سر کئے ہیں، آریہ سماج (ہندو مذہب) کا ایک سربرآوردہ رہنما پنڈت رامچندر (دہلی)، جو علم مناظرہ میں بڑی مہارت رکھتا تھا، کہا کرتا تھا کہ ہندوستان میں صرف ساڑھے تین مناظر ہیں۔ باقی تو صرف ایسے ویسے ہی ہیں جب اُس سے تفصیل پوچھی گئی کہ وہ کون ہیں؟ تو کہنے لگا۔

(۱) مولوی ثناء اللہ امرتسری (۲) مولوی مرتضیٰ حسن چاندپوری
(۳) مولوی انور شاہ کشمیریؒ (۴) اور آدھا مناظر مولوی اسعد اللہ رام پوری

استاذ کی خدمت

غالباً وجہ اس کی یہ تھی کہ اس وقت حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب اِن تینوں سے کم عمر تھے یہ تقسیم ہند سے بہت پہلے کی بات ہے۔ جب میں مدرسہ مظاہر علوم میں داخل ہوا اُسی دن سے حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ نے اپنی خدمت گزاری کیلئے مجھ کو قبول کر لیا تھا، ہر روز صبح کمرے کی صفائی، ناشتے کا انتظام، برتن کی دُھلوائی، وضو کا پانی وغیرہ میرے ذمّے تھا اس کے علاوہ ہر جمعہ پورے کمرے کی تفصیلی صفائی اور نماز جمعہ کے لئے جامع مسجد (سہارن پور) لانا لیجانا بھی میرے خدمات میں شامل تھا۔ وہاں بعد نماز حضرت کا وعظ ہوا کرتا تھا۔

یہ تو میری اپنی خدمات تھیں جو میں نے اپنے آپ تجویز کر لی تھیں۔ حضرت مولانا نے اپنی جانب سے ایک اور خدمت عنایت کی تھی وہ پیر دبانے کی خدمت تھی، بعد عشاء رات دیر گئے جب میں درسیات کی تکرار سے فارغ ہوتا اس وقت حضرت مولانا کا کمرہ جو ہمیشہ کھلا رہتا تھا داخل ہوتا اور پیر دبایا کرتا (جس کو مدرسہ کی زبان میں پیر کی چپی کہا جاتا تھا) عموماً یہ خدمت رات کے بارہ بجے کے بعد ہی پیش آتی تھی بحمد اللہ پانچ سال تک یہ خدمات انجام دی ہیں ایسے ہی ایک رات میں درسیات کی تکرار کے بعد کمرے میں داخل ہوا اور چپی شروع ہی کی تھی کہ حضرت مولانا اٹھکر بیٹھ گئے۔ عام طور پر ہر روز تو یہی معمول تھا کہ جونہی چپی شروع کی بیدار ہو جاتے نام پوچھتے اور رخصت کر دیتے بمشکل پانچ منٹ گزرتا ہوگا بس اتنی ہی خدمت تھی مجھے یاد نہیں کہ کبھی آدھا منٹ ہی چپی لگائی ہو، اگر کبھی ناغہ ہو جاتا تو دن میں شامت آجاتی ویسے یہ بھی یاد نہیں کہ دو ایک مرتبہ کے سوا کبھی ناغہ کیا ہوگا

بہر حال اس رات حضرت مولانا خلافِ معمول اٹھ کر بیٹھ گئے فرمایا کون؟ میں نے کہا عبد الرحمٰن۔ فرمایا کیا وقت ہے؟ عرض کیا ڈیڑھ بج رہا ہے۔ فرمایا تہجد کا

وقت شروع ہو گیا میں نے کہا جی ہاں۔ پھر فرمایا کیا تاریخ ہے؟ میں نے کہا ۱۰ ذوالحجہ۔ اور کل دن کیا ہے؟ کہا "جمعہ" نہایت بشاشت سے فرمایا۔ اللہ اکبر آج کی رات تین فضائل جمع ہو گئے ہیں؟

(بقرعید کی شب، جمعہ کی شب، تہجد کا وقت)

آؤ تم کو تین دعائیں دی جاتی ہیں۔ انشاء اللہ۔

(۱) دین کی خدمت کا غیر معمولی موقعہ ملے گا۔

(۲) دنیا کی دولت بھی بہت ملے گی۔

(۳) عمر بھی دراز ہوگی۔

اس کے بعد فرمایا ایک اور دعا بھی ہے انشاء اللہ خاتمہ بھی ایمان پر ہوگا۔ یہ کہکر آپ لیٹ گئے فرمایا اچھا جاؤ آرام کرو۔ میں اٹھ آیا۔ نیند کہاں آتی۔ خوشیوں اور مسرتوں سے دل اُڑ رہا تھا۔ انہی جذبات میں صبح ہو گئی۔ اللہ کے نیک بندوں کی دعائیں کب ضائع ہوئی ہیں جو یہ ضائع ہو گی؟

تحدیث بالنعمۃ کے طور پر لکھنے کی جرأت کر رہا ہوں۔ پہلی تین دعائیں آج ۱۹۹۲ء مطابق ۱۴۱۲ھ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں اور چوتھی دعا سے انشاء اللہ محروم نہ رہوں گا۔

ع۔ قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید،

فَسُبْحَانَ الَّذِی بِیَدِہٖ مَلَکُوْتُ کُلِّ شَیْءٍ وَّ اِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ

مذکورہ دعاؤں کی صداقت جہاں ایک حقیقت ہے وہاں یہ ایک واقعہ بھی ہے۔ بزرگانِ دین کی زندگیوں میں ایسے بکثرت واقعات ملتے ہیں جہاں انھوں نے اپنے شاگردوں، عقیدت مندوں، خادموں کو خصوصی دعاؤں سے نوازا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر دور میں اہل علم کی ایک بڑی تعداد نے بزرگانِ دین (اہل اللہ)

سے دائمی وابستگی قائم رکھی ہے۔
اور "جُوئندہ یابندہ"، جن کو بھی جو کچھ ملا وہ اسی نظرِ کرم کا فیض تھا۔
اکبر الہ آبادی کی زبان سے کس خوبصورتی کے ساتھ یہ حقیقت جاری ہوئی۔

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں ایسے واقعات بھی ملتے ہیں جن سے بزرگانِ دین کے ان واقعات کو تائید و تقویت ملتی ہے۔
اہل اللہ کی ذوات سے اِن جیسے واقعات کا جاری ہونا اسلامی زبان میں کرامت کہلاتا ہے اور کرامت ایک مسلّمہ حقیقت ہے جس کا انکار کرنا یا مذاق اُڑانا جہالت کی علامت ہے۔

اَعُوذُ بِاللّٰہِ اَنْ اَکُوْنَ مِنَ الْجَاہِلِیْنَ۔

حضرت ابوہریرہؓ نے ایک رات سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے کمزور حافظہ کی شکایت کی۔

یارسول اللہؐ میں آپ کے ارشادات کو دن بھر محفوظ کر لیا کرتا ہوں
پھر رات کو وہ تمام ارشادات دُہرائے بغیر سوتا نہیں،
لیکن دوسرے دن پھر بھول جاتا ہوں۔
یارسول اللہؐ میرے لئے دُعا فرما دیجئے کہ آپ کے ارشادات میرے سینے میں محفوظ ہو جایا کریں۔

حضرت ابوہریرہؓ کی اس طلب کو سرکار نے اس طرح نوازا تھا
ابوہریرہؓ اپنی چادر زمین پر بچھا دو۔
ابوہریرہؓ نے اپنی چادر زمین پر بچھا دی، پھر آپ نے چند کلمات کی تلاوت

فرمائی اور چادر پر پھونک دیا، اور فرمایا:
ابو ہریرہؓ چادر کے چاروں کونوں کو لپیٹ کر درمیان میں یکجا کردو،
چنانچہ ابو ہریرہؓ نے ایسے ہی کر دیا، آپؐ نے ارشاد فرمایا۔
ابو ہریرہؓ چادر کو اپنے سینے سے لگا لو۔ چنانچہ ابو ہریرہؓ نے چادر کو سینےؓ سے لگا لیا، اس کے بعد ارشاد فرمایا بس اب جاؤ اور آرام کرو۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد میرے حافظہ سے آپ کا کوئی ارشاد کبھی ضائع نہ ہوا۔ طبقۂ صحابہ میں جن جن حضرات کو علومِ نبوت سے بھرپور حصہ ملا تھا ان میں ایک حضرت ابو ہریرہؓ بھی ہیں، رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ۔

حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب جن کی دعاؤں کا اوپر تذکرہ کیا گیا ہے۔ میرے استاذ حدیث بھی ہیں۔ حدیث کی مشہور و معروف کتاب طحاوی شریف حضرت مولانا ہی سے پڑھی ہے، حضرت مولانا اثنائے درس بعض اہم نکات کو اشعار میں نقل کر دیا کرتے تھے تاکہ وہ محفوظ ہو جائیں خاص طور پر کسی امام و محدث کی تاریخ ولادت، تاریخ وفات اور ایسے ہی دیگر ضروری باتیں۔

درس طحاوی شریف میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کردہ احادیث کو ایک فارسی شعر میں اس طرح بیان فرمایا جو آج تک یاد ہے۔

کن حدیثِ بو ہریرہؓ را شمار پنج الف و سہ صد و ہفتاد و چار

(حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کردہ جملہ احادیث شریفہ کی تعداد پانچ ہزار تین سو چوہتر ہے (۵۳۷۴) بہرحال حضرت ابو ہریرہؓ کو روایت حدیث کا وہ بھرپور حصہ ملا جو دیگر اصحاب کو میسر نہ آیا، یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا اور توجہ ہی کی تو برکت تھی اکبر الہ آبادی مرحوم کا وہ شعر بھی تازہ کر لیجئے۔

ع۔ دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا۔

سیّدہ عائشہ صدیقہؓ کی زیارت

انہی دنوں کی بات ہے مدرسہ مظاہر علوم (سہارنپور) میں ایک رات خواب آیا کہ مدرسہ کی درسگاہ میں سیّدہ عائشہ صدیقہؓ تشریف لائی ہیں اس اطلاع پر طلبہ دوڑنے لگے میں بھی عجلت کے ساتھ آگے ہوگیا اور درسگاہ میں سب سے پہلے داخل ہوا۔ سیدہ عائشہ صدیقہؓ استاذ کی جگہ تشریف فرما تھیں نہایت جمیل شکل وصورت، زنانہ پنجابی لباس، سر پر اوڑھنی اور سامنے کتاب کھلی ہوئی۔ میں بالکل مقابل بیٹھ گیا۔ فرمایا شروع کیجئے۔ میں نے اپنی کتاب کھولی علم فقہ کی درسی کتاب کنز الدقائق تھی پڑھنا شروع کیا، سیدہ عائشہ صدیقہؓ نہایت مسرور ہونے لگیں اتنے میں آنکھ کھل گئی۔

حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ سے میں نے یہ خواب بیان کیا حضرت بے حد مسرور ہوئے فرمایا خواب مبارک ہے انشاء اللہ دین کی حقیقتیں نصیب ہونگی۔ (کتاب کا نام کنز الدقائق (حقائق ومعارف کا خزانہ) یہ کتاب فقہ حنفی کی اساسی کتب میں شمار کی جاتی ہے اور ہند وپاک کے مدارس اسلامی کے نصاب میں داخل ہے)

ایک اور بشارت

اس واقعہ کے چند دنوں بعد ضلع ارکان (برما) کے ایک ہم سبق دوست مولوی فضل حق صاحب ایک دن فجر کی نماز کے بعد ہمارے کمرے میں اچانک آئے یہ کوئی ملاقات کا وقت نہ تھا۔ میں لیٹا ہوا تھا آتے ہی پیر دبانے لگے میں فوری اٹھ بیٹھا اور کہا برادر کیا غضب کرتے ہو؟ ہم کو کیوں گنہگار بناتے ہو؟ اُن کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور رقت طاری ہوگئی کہنے لگے للہ معاف کیجئے۔ خدارا انکار نہ کیجئے؟ اپنی پیشانی کا بوسہ لینے دیجئے؟ میں حیران ہو گیا کہ یہ کیا قصہ ہے؟ لیکن ابھی میں کچھ جواب بھی نہ دینے پایا تھا کہ وہ قریب آئے اور ادب و احترام

سے پیشانی کا بوسہ لیا اور پھر زار و قطار رونے لگے، میں نے کہا آج آپ خلافِ معمول ایسا کیوں کر رہے ہو؟ کیا واقعہ پیش آیا؟ اس سوال پر ان کا گریہ اور تیز ہو گیا۔ دو چار منٹ بعد کہنے لگے گزشتہ رات میری زندگی کی عظیم رات تھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی۔ میں نے دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے قریب تشریف لائے اور آپ کی پیشانی کو بوسہ دیا بس یہ کہہ کر بے تحاشا رو پڑے۔ ماحول کچھ ایسا سوگوار قسم کا ہو گیا کہ ان کی اس کیفیت سے مجھ پر بھی گریہ طاری ہو گیا، اللہ اللہ ہم جیسے حقیر فقیروں پر اللہ و رسولؐ کی یہ عنایات ہیں فصلوات ربی وسلامہٗ علیہ۔ میں نے کہا مولوی صاحب براہِ کرم یہ خواب کسی پر ظاہر نہ کرو۔ اس کی تعبیر اللہ ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہو گئی۔ شکر ادا کرو۔

اس کے بعد ان صاحب کا یہ حال ہو گیا کہ راستے میں جہاں کہیں میں نظر آتا اُسی حالت میں کھڑے ہو جاتے جب تک کہ میں گزر نہ جاؤں، میں نے بارہا گزارش کی کہ ایسا نہ کیجئے لیکن وہ اپنے اس عمل سے باز نہ آئے۔ اللہ اِن کو اور ہم سب کو اپنے نبی و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و شفاعت نصیب کرے۔ آمین۔

احادیث شریفہ میں ایسے خوابوں کو "بُشری المؤمن" کہا گیا ہے جس کو مومن دیکھتا ہے یا اس کے بارے میں کسی کو دکھایا جاتا ہے یہ ایک خوش خبری ہے جو دُنیا میں مؤمن کو دی جاتی ہے۔ قرآن حکیم کی آیت۔ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ۔ الآیۃ یُونس آیت ۶۴)

ان کے لئے دنیا اور آخرت کی زندگی میں خوشخبری ہے۔

دُنیا کی خوشخبری سے مراد اچھے اور نیک خواب مراد ہیں۔ الحدیث۔

(ابن کثیر)

چار دوستوں کی کہانی

انہی ایام عام طور پر طلباء میں یہ بات پھیل گئی اور وہ خواب مشہور ہوگیا۔ ردعمل کا تو علم نہ ہوسکا البتہ طلباء میں ہماری غیر معمولی پذیرائی ہونے لگی۔ اس کا اثر اسباق کی تکرار والی مجلس میں ظاہر ہوا۔ اس مجلس میں طلباء بکثرت شرکت کرنے لگے۔ اہتمام اور بڑھ گیا۔ جس سے ہمارا حلقۂ درس وسیع تر ہونے لگا۔ اللہ نے ہمارے اس خواب کو ہمارے ازدیادِ علم کا ذریعہ بنایا۔

اس واقعہ کے چند ہفتوں بعد ہمارے رفیق عزیز مولوی عبدالعزیز صاحبؒ مدرسہ مظاہر علوم سے مدرسہ دارالعلوم دیوبند منتقل ہوگئے۔ (جس کا مفصل تذکرہ گزشتہ اوراق میں آچکا ہے)۔

یہ ایسا واقعہ تھا جس نے بے سکونی کی کیفیت پیدا کردی ایک مخلص ہمدم کا چھوٹ جانا کسی حادثے سے کم نہ تھا مسلسل ڈیڑھ سال کی رفاقت اچانک ختم ہوگئی۔ دل برداشتہ رہنے لگا، چند دوستوں نے خاص طور پر الٰہ آباد کے مولوی انیس الرحمن صاحب بھوپال کے مولوی عتیق احمد صاحب، ضلع بستی (یو، پی) کے مولوی ابرار احمد صاحبؒ نے اس بات کو شدت سے محسوس کیا اور تفریح طبع کیلئے ایک پروگرام بنایا۔ سہارنپور سے چند میل کے فاصلہ پر قصبہ گنگوہ واقع ہے یہ قصبہ اکابر دیوبند کا وطن رہا ہے۔ یہاں اکابر اولیاء اللہ کے مزارات بھی ہیں، شیخ الشیوخ عبدالقدوس گنگوہیؒ، شیخ ابوسعید گنگوہیؒ، قطب العالم مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ وغیرہم یہیں آسودۂ خواب ہیں۔

مؤخر الذکر بزرگ کی اولاد میں حضرت مولانا حکیم عبدالرشید صاحبؒ جن کو اہل قصبہ ننھے میاں کہا کرتے ہیں۔ موجود تھے۔ اطراف واکناف میں موصوف کی حکمتِ طبی کا غیر معمولی چرچا تھا، ویسے بھی مجھکو گنگوہ کی زیارت کرنے کا عرصہ

سے اشتیاق تھا بہرحال دوستوں نے پروگرام بنا ہی لیا،
جمعہ کی چھٹی میں گنگوہ پہنچے، مزارات کی زیارت کرنے کے بعد ننھّے میاں صاحب سے ملاقات کیلئے موصوف کے مکان آئے، معلوم ہوا کہ حضرت کی ملاقات کا یہ وقت نہیں ہے لیکن بہرحال ہم طالب علم تھے اپنی شکست کیوں قبول کرتے؟ اطلاع کروائی گئی کہ مدرسہ مظاہر علوم کے چند طلبہ ہیں صرف سلام و دُعا کیلئے آئے ہیں۔ مغرب سے پہلے پہلے مدرسہ واپس ہونا ضروری ہے۔
گذارش منظور ہوگئی حضرت ننھّے میاں صاحب تشریف لائے لباس نہایت نفیس و پاکیزہ زیب تن اور شکل وصورت اس سے کہیں زیادہ خوبصورت، پُروقار شخصیت مسکراتے ہوئے ہر ایک سے مصافحہ کیا۔ خیر خیریت پوچھی پھر ہر ایک کا تعارف حاصل کیا، کلام کرتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ موتی جھڑ رہے ہیں، زمزم اور کھجور سے تواضع کی پھر ہم چاروں سے مستقبل کے بارے میں دریافت کیا کہ فراغتِ علم کے بعد کیا کام کروگے؟
سوال غیر متوقع تھا جس کے جواب کیلئے ہم تیار نہ تھے لیکن جواب بہرحال دینا تھا۔ مولوی عتیق احمد بھوپالی نے پہل کی۔ کہا فراغت کے بعد انگریزی پڑھونگا پھر کالج میں لکچرار بن کر طلبہ میں اسلام کی تبلیغ کروں گا۔
مولوی ابرار احمد صاحب بستوی نے کہا میں علم طب حاصل کروں گا اور اس کو اپنا ذریعۂ معاش بناؤں گا اور دین کی لوجہ اللہ خدمت کروں گا۔
مولوی انیس الرحمٰن الہ آبادی مزاجاً قلندر صفت تھے اور عمر میں بھی ہم سب سے کچھ بڑے تھے۔ اپنے مخصوص لہجہ میں نہایت انکساری سے کہا بندہ کسی خانقاہ یا مدرسہ میں پڑا رہے گا۔
بس ہماری باری آگئی میں بے چین تھا کہ وقت قریب آرہا ہے کیا جواب دُوں؟

اب تو یہ معلوم نہیں کہ ان تینوں دوستوں نے پہلے ہی سے اپنا مستقبل طے کرلیا تھا یا بروقت جو دل میں آیا کہدیا لیکن میں نہ اس سے پہلے اس مسئلہ پر کبھی غور کیا تھا اور نہ موجودہ وقت جب کہ مجھ کو غور کرنے کا نسبتاً زیادہ موقعہ بھی ملا تھا کوئی بات سمجھ میں نہ آئی۔ چند سکنڈ کے بعد بے ساختہ اس طرح بول پڑا۔
حضرت ہمارے وطن حیدرآباد دکن میں شرک و بدعات مذہب کی شکل اختیار کرگئے ہیں میں انشاءاللہ اس کے خلاف کام کروں گا۔ بس بات ختم ہوگئی۔
حضرت ننھے میاں صاحب پہلے تو سب کے لئے چند ہمت افزائی کے کلمات فرمائے اور دعا دی پھر اچانک میری جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا تم سے دکن میں دین کی خوب اشاعت ہوگی اور انشاءاللہ توحید و سنّت زندہ ہوں گے۔ بات آئی گئی ہم چاروں مصافحہ کرکے رخصت ہوگئے۔
۱۹۵۷ء و ۱۹۵۸ء میں سب کی علمی فراغت ہوگئی سب اپنے اپنے وطن آگئے عرصہ دراز تک پتہ نہ چلا کہ کون کہاں ہے؟ کس حالت میں ہے؟ شاذ و نادر مولوی انیس الرحمٰن صاحب الٰہ آبادی سے ملاقات ہوجاتی تو کچھ پرانی یادیں تازہ ہوجاتیں وبس۔
بہر حال کس کو معلوم تھا کہ قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید۔
فراغت علمی کے بعد مولوی عتیق احمد صاحب نے وہی کالج کا میدان سنبھالا، مولوی ابرار احمد صاحب نے حکمت کے ساتھ تجارت کو اپنا معاش بنایا اور لوجہ اللہ مقامی مدرسہ کی خدمت اختیار کی، مولوی انیس الرحمٰن صاحب نے قلندرانہ زندگی اختیار کی مدرسہ و خانقاہ کی نذر ہوگئے۔
رہا ہمارا حال تو ہماری تبلیغی زندگی کا آغاز جامع مسجد ملّے پلی حیدرآباد کی خطابت اور علمی زندگی مدرسہ نظامیہ حیدرآباد سے شروع ہوئی پھر کچھ ہی عرصہ بعد

گنگوہ کے اس مردِ قلندر کی بات پوری ہونے لگی شہر کی مساجد میں کتاب اللہ وسنت رسول اللہ اور علم فقہ کے درس شروع ہو گئے۔ اشاعت و تبلیغ کا سلسلہ چل پڑا۔ اہلِ علم کیلئے موجودہ تبلیغی جماعت کے نہج پر ۱۳۸۳ھ مطابق ۱۹۶۳ء "مجلسِ علمیہ" کا قیام عمل میں آیا۔ مجلس کے اغراض و مقاصد کے تحت ہر عالم کیلئے ہفتہ میں کم از کم دو درس، درسِ قرآن، درسِ حدیث کی پابندی ضروری قرار پائی، شہر کی مساجد کے علاوہ بیرون شہر بھی یہ سلسلہ شروع ہو گیا، دو سال کے اندر اندر مجلسِ علمیہ کا حلقہ اثر صوبہ آندھرا پردیش سے گزر کر صوبہ مہاراشٹر، صوبہ کرناٹک کے اضلاع میں پھیل گیا۔ ڈیڑھ سو سے زائد علماء کرام نے مجلسِ علمیہ کی رکنیت اختیار کر لی۔

مجلسِ علمیہ کا پہلا سالانہ اجتماع ۱۳۸۴ھ مطابق ۱۹۶۴ء مسجد محی الدین النساء بیگم جدید ملک پیٹ (حیدرآباد) میں منعقد ہوا جس میں شہر و بیرون شہر کے کم و بیش ستر علماء کرام نے شرکت کی، اس اجتماع نے دکن کی تاریخ کا وہ عظیم کارنامہ انجام دیا جس کو دکن کی تاریخ لکھنے والا مسلمان مؤرخ علماءِ دکن کا تجدیدی کارنامہ قرار دے گا۔

سلطنت آصفجاہی کے دو سو سالہ دورِ حکومت میں پہلی بار توحید و سنّت کی دعوت اور شرک و بدعت کی علی الاعلان تردید و برأت کی عام تحریک کا آغاز ہوا اور اس زور شور سے ہوا کہ ان اجتماعات میں دو دو تین تین لاکھ مرد و خواتین شرکت کرنے لگے۔ مجلسِ علمیہ توحید و سنّت کی علامت قرار پائی۔ ان اجتماعات میں دکن کے مسلمانوں نے پہلی مرتبہ توحید و شرک، سنّت و بدعت کے امتیاز کو دل کی گہرائیوں سے محسوس کیا۔ ہزاروں مسلمانوں نے شرک و بدعت سے توبہ کی، خواتین میں اس سے کہیں زیادہ اثرات مرتّب ہوئے۔ مکمّل تفصیل

آئندہ اوراق میں بیان کی جائے گی۔

بہرحال میں گنگوہ کے اُس مرد قلندر کی پیش گوئی کا تذکرہ کررہا تھا جس نے اپنی فراستِ ایمانی سے ایک نووارد کم عمر مہمان کی ملاقات پر ایک ایسے عظیم انکشاف کا اظہار کیا جس کو بہت جلد مسلمانانِ دکن نے اپنی آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کیا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدَانَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَا اَنْ هَدَانَا اللّٰهُ۔

انجمنُ ہدایتُ الرّشید

مدرسہ مظاہر علوم (سہارنپور) کی علمی سرگرمیوں میں طلبہ کیلئے انجمن "ہدایت الرشید" نامی ایک مجلس بھی تھی جس کے اغراض و مقاصد میں منتہی طلبہ کو بحث و مباحثہ، مکالمہ و مناظرہ کی عملی مشق بھی کروائی جاتی تھی تاکہ وہ اپنی عملی زندگی کیلئے اسلام کے دفاع و بقا کی ذہنی و فکری صلاحیت حاصل کرسکیں، ناظم مدرسہ مولانا اسعد اللہ صاحبؒ جو خود بھی بہت بڑے مناظر اور متکلم تھے اس انجمن کی سرپرستی فرمایا کرتے تھے۔ ہفتہ کے آخری دن جمعرات کو یہ محفل منعقد کی جاتی تھی۔

طلبہ کو دو ۲ فریق کردیا جاتا تھا، مسلم اور عیسائی، مسلم اور یہودی، مسلم اور آریہ سماجی، مسلم اور قادیانی، مسلم اور دہری (بے دین) مسلم اور بدھ مت وغیرہ وغیرہ ہر ہفتہ طلبہ کو ایک موضوع دیکر تیاری کرنے کا اعلان کیا جاتا دوسرے ہفتے باضابطہ دونوں فریق میں بحث و مناظرہ کروایا جاتا اور پھر آخر میں صدر جلسہ فریقین کے دلائل پر تبصرہ کرتے اور فیصلہ دیا کرتے اور طلبہ کو تفہیم کرتے کہ بحث و مناظرہ میں کن کن امور کی رعایت رکھنی چاہیئے، یہ ایک ایسی مفید و مؤثر تدبیر تھی کہ فراغت علمی کے ساتھ طالب علم اسلام کے داعی اور مبلغ کی صفات لیکر مدرسہ سے رخصت ہوا کرتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ غیر منقسم ہندوستان میں

جب یورپ کی عیسائی تحریک ٹوٹ پڑی اور اندرون ہند آریہ سماجی پنڈتوں نے شدھی کی تحریک چلائی (مسلمان کو ہندو بنانا) اور ایسے ہی دوسرے باطل فرقوں نے مسلمانوں کے خلاف سر اٹھایا اُس وقت انہی مدارس اسلامیہ کے علماء و طلبہ تھے جو پورے عزم و ثبات سے میدانِ عمل میں اُتر پڑے اور ساری باطل قوتوں کا مقابلہ کیا اور اسلام اور مسلمانوں کو ان کی یلغار سے بچا لیا۔

بحمد للہ میں بھی اس انجمن کا شریک تھا، جو بھی عنوان دیا جاتا ہفتہ بھر اس کی تیاری کر لیتا اور مجلسِ مناظرہ میں بے باک بولا کرتا تھا ایک ایسے ہی موقعہ پر "عصمتِ انبیاء کرام کا عنوان دیا گیا تھا (یعنی انبیاء کرام گناہوں سے معصوم ہوا کرتے ہیں) دوسری جماعت اس کے خلاف تھی میں اس جماعت میں تھا جو عصمتِ انبیاء کی حامی تھی

دونوں جماعتوں میں سوال و جواب کا سلسلہ شروع ہوا مخالف فریق نے بڑے زور و شور سے یہ ثابت کیا کہ (حضرت) آدم (علیہ السّلام) اگر معصوم ہوتے تو اُن سے خطا نہ ہوتی اور نہ وہ اللہ کے حکم کو توڑتے؟ اس بات کی شہادت خود آپ کا قرآن دے رہا ہے کہ

(حضرت) آدم (علیہ السّلام) کو درخت کے قریب ہونے سے منع کیا گیا تھا لیکن وہ درخت کا دانہ کھا گئے۔

جواب دہی کیلئے میری باری تھی میں اسی لب و لہجہ میں بول پڑا جناب آپ دھوکہ کھائے ہیں یا دھوکہ دینا چاہتے ہیں۔ جناب عالی!

سیّدنا آدم علیہ السّلام نے نہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کی اور نہ اسکا حکم توڑا۔ اللہ تعالیٰ نے تو سیّدنا آدم علیہ السّلام کو درخت کے قریب ہونے سے منع کیا تھا۔ درخت کا پھل کھانے سے منع نہیں کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا حکم تو یہ تھا۔ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ ۔ الآیۃ (اعراف آیت ۱۹)

اس درخت کے قریب نہ جانا وبس! کھانے کو کہاں منع کیا ہے ؟ چنانچہ سیدنا آدم علیہ السلام درخت کے قریب ہرگز نہیں گئے۔ اگر گئے ہوں تو قرآن ہی سے ثابت کرو کہ وہ درخت کے قریب چلے گئے۔ اگر ایسی کوئی آیت ہو تو پیش کرو ہم آپ کا دعویٰ قبول کرلیں گے۔

یہ کہہ کر میں بیٹھ گیا، مزید دو چار سوال جواب کے بعد مناظرہ کا وقت ختم ہوگیا صدرِ جلسہ مولانا اسعداللہ صاحبؒ اٹھے اور دونوں فریق کے دلائل پر تبصرہ کیا۔ پھر فرمایا کہ مولوی عبدالرحمٰن کی دلیل پر خصوصی تبصرے کی ضرورت ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ موصوف نے اہلِ سنّت کی جانب سے نہایت کمزور بلکہ خطرناک قسم کی وکالت کی جس کو خود اُن کے اپنے بزرگ تسلیم نہیں کرتے اور نہ قرآن کا یہ مفہوم ہے جس کو موصوف نے بیان کیا ہے علاوہ ازیں عربی زبان کے لحاظ سے بھی یہ مفہوم غلط ہے۔

سیدنا آدم علیہ السلام کو جو حکم دیا گیا تھا لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ (الآیۃ) اس کے معنیٰ تو یہی ہیں کہ کھانا تو درکنار قریب تک نہ ہونا لیکن سیدنا آدم علیہ السلام قریب بھی ہوئے اور دانہ بھی کھایا قرآن کی دیگر آیات بھی یہی مضمون بیان کرتی ہیں، تو پھر آپ کا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے درخت کے قریب ہونے سے منع کیا تھا کھانے سے منع نہ کیا تھا قَوْلٌ لَا یَرْضیٰ بِهِ الْقَائِلُ (ایسی بات جس کو کہنے والا خود تسلیم نہیں کرتا) نہیں تو اور کیا ہے؟

دوسری بات اس سے زیادہ خطرناک ہے وہ یہ کہ آپ کی تقریر پر اگر آپ کا مخالف یہ کہے کہ جناب آپ کے قرآن میں زنا کرنے کی اجازت ہے کیونکہ قرآن نے لَا تَقْرَبُوا الزِّنَا (الآیۃ) کہا ہے یعنی زنا کے قریب نہ ہونا البتہ زنا کرسکتے ہو تو اس کا کیا جواب ہوگا؟

اسی طرح قرآن نے کہا ہے۔ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْیَتِیْمِ (الآیۃ) مالِ یتیم کے قریب نہ ہونا البتہ یتیم کا مال کھایا جاسکتا ہے۔ تو اس کا کیا جواب ہوگا؟

اسی طرح قرآن میں آیا ہے وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ (الآیۃ) بُرے کاموں کے قریب نہ ہونا البتہ بُرے کام خوب کئے جاسکتے ہیں تو اس کا کیا جواب ہوگا؟

اس طرح اور بہت سی آیات ہیں جو آپ کی تقریر پر پیش کی جاسکتی ہیں۔ صاحبزادے جواب دہی میں جلد بازی نہ کرنا چاہئے خاص طور پر میدانِ مناظرہ میں تو بہت ضبط و تحمل کی ضرورت پڑتی ہے اور تول تول کر جواب دینا پڑتا ہے ورنہ پیٹھ پھیرنے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں رہتا، اس کے بعد حضرت مولانا نے علم مناظرہ کی بڑی دلچسپ اور اہم نکات بیان فرمائی اور اپنی جوانی کا ایک واقعہ بیان کیا۔

(جیسا کہ گذشتہ اوراق میں یہ لکھا جاچکا ہے کہ حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ ہندوستان کے ان چند نامی گرامی مناظرین میں شمار ہوتے تھے جو تقسیم ہند سے پہلے انگریزی دورِ حکومت میں غیر مسلموں سے بحث و مناظرہ سوال، جواب کے کئی ایک معرکہ سر کئے ہیں)

ارشاد فرمایا ضلع شاہجہاں پور (یو، پی) میں اہل سنت اور اہل بدعت (بریلی جماعت) کا ایک مناظرہ طے پایا۔ اہل سنّت کی طرف سے مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسریؒ، مولانا مرتضیٰ حسن صاحب چاندپوری اور مولانا .... اور چوتھا میں تھا، شریک مناظرہ ہوئے۔

اہلِ بدعت کی جانب ...... سے پنجاب کے نامی گرامی پیر صاحب (جن کا نام اب یاد نہ رہا) دوسرے مشہور مناظر مولوی حشمت علی صاحب بریلوی

اور ایک اور عالم صاحب مقابلہ پر آئے نظامِ مناظرہ کے تحت ہر مناظر کو ابتداءً دس دس منٹ کا وقت دیا گیا جس میں ہر ایک نے اپنا اپنا تعارف کروایا، اس سلسلے میں مولوی حشمت علی صاحب بریلوی کا نمبر آیا، موصوف بولنے میں بڑے بے باک تھے اہلِ سنّت کے مناظرین کا نام لے لے کر یوں مخاطب ہوئے۔

حضرات! یہ مولوی مرتضیٰ حسن جو اپنے آپ کو بہت بڑا مناظر سمجھا کرتے ہیں اس سے پہلے بارہا میرے مقابلہ میں آئے ہیں اور ہر بار میں نے ان کو نیچا دکھایا۔ آج پھر آئے ہیں۔ اور یہ مولوی ثناء اللہ غیر مقلد جو اپنے آپ کو محدّث اعظم سمجھا کرتا ہے کئی مرتبہ نیچا دیکھ چکا ہے۔ لیکن اِس کو شرم نہیں آتی آج پھر ہمت کی ہے۔

اور یہ نوجوان چھوکرہ اسعد اللہ جس کے ایک گال میں دُودھ دوسرے میں شہد باقی ہے آج میرے مقابلہ کیلئے آیا ہے، ابھی ابھی معلوم ہو جائے گا کہ کون نیچا دیکھتا ہے؟ اس قسم کی پانچ دس باتیں اور کہہ کر بیٹھ گئے۔

اہلِ سنّت کے پہلے دونوں مناظرین نے بھی اپنا اپنا تعارف کروایا اسکے بعد میری باری آئی جب میں اسٹیج پر آیا تو مخالفین کی جانب سے مذاق اڑایا گیا اور تالیاں بجائی گئیں جب کچھ شور کم ہوا تو میں نے اپنے تعارف سے پہلے اس طرح خطاب کیا۔

حضرات! میں اپنا تعارف تو بعد میں کراؤں گا پہلے میں ایک حقیقت کا اظہار کرنا چاہتا ہوں مولوی حشمت علی صاحب نے مولوی مرتضیٰ حسن صاحب کو ہمیشہ نیچا دکھایا ہے جس کی میں بھی تصدیق کرتا ہوں اور مولوی صاحب کو بھی اس کا اعتراف ہے۔

مولوی ثناء اللہ صاحب کو بھی موصوف نے موقعہ بموقعہ نیچا دکھایا اس کی بھی

میں تصدیق کرتا ہوں اور مولوی ثناء اللہ صاحب کو بھی اسکا انکار نہیں ہے۔
اور آج میں اللہ کو حاضر و ناظر جان کر اور آپ سب حضرات کو گواہ بنا کر اعلان کرتا ہوں کہ اگر آج مولوی حشمت علی صاحب نیچا دکھانے کی کوشش کریں گے تو خدا کی قسم میں ہرگز نہ دیکھوں گا اپنا منہ پھیر لوں گا۔ (شمالی ہند کی بول چال میں نیچا دکھانا گالی کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے) بس یہ کہکر میں بیٹھ گیا اس کے ساتھ ہی مجمع میں زبردست شور برپا ہوا آوازیں بلند ہونے لگیں، شرم، شرم کے نعرے اتنے بلند ہوئے کہ فضا گونج اٹھی مناظرہ کا نظام درہم برہم ہو گیا، سارا مجمع مسلسل کہنے لگا ہم بھی نہ دیکھیں گے، ہم بھی نہ دیکھیں گے۔ ہرگز نہ دیکھیں گے۔ مولوی حشمت علی صاحب بریلوی اور ان کی پارٹی نے اسی میں اپنی خیریت سمجھی کہ مناظرہ کا بائیکاٹ کیا جائے۔ چنانچہ وہ جلسہ گاہ سے بڑبڑاتے نکل گئے۔

مناظرہ ختم ہو گیا، نفس موضوع پر بات تو کیا ہوتی یہ بھی اعلان نہ ہو سکا کہ آج بحث فلاں مسئلہ پر ہے۔

الغرض مولانا اسعد اللہ صاحبؒ نے اپنا یہ واقعہ بیان فرما کر ایک اہم مناظرانہ نکتہ ظاہر کیا کہ عام طور پر فریق مخالف اثنائے مناظرہ اپنے مقابل فریق کو غیظ و غضب میں لانے کی کوشش کرتا ہے تاکہ وہ اپنی سنجیدہ غور و فکر سے محروم ہو جائے اس کے بعد اس کو مغلوب کر دینا بہت آسان ہو جاتا ہے، چنانچہ وہ دورانِ مناظرہ الزام تراشی، اتہام بازی حتیٰ کہ مقابل کے حسب و نسب پر بھی حملہ کر دیتا ہے تاکہ مقابل مشتعل ہو جائے اور اس سے صحیح اور درست جواب بن نہ پڑے جو حضرات فنِ مناظرہ کے ماہرین شمار کئے جاتے ہیں وہ کبھی بھی مشتعل نہیں ہوتے اور مخالف کی ہر کڑوی وٹیڑی بات سے صرفِ نظر کر جاتے

ہیں ایسے وقت اِن کا صبر و تحمل مخالف کو میدان چھوڑنے پر مجبور کردیتا ہے اور
پھر مخالف کی تدبیر اُلٹی پڑ جاتی ہے۔
عزیز طلبہ تم کو آیندہ عملی زندگی میں ایسے امور سے سابقہ پڑے گا میں تم
کو نصیحت کرتا ہوں کہ کسی بھی مرحلہ پر ضبط و تحمل کو جانے نہ دینا، دعوت و تبلیغ
کی انجام دہی میں یہ بات اساسی حیثیت رکھتی ہے۔
بہرحال یہ تھا انجمن ہدایت الرشید کا مختصر تعارف جس نے ہمیں تبلیغی زندگی
کیلئے بہت کچھ سرمایہ فراہم کیا، اللہ اس کے بانیوں کو جنت الفردوس کے
اعلیٰ مناصب عطا کرے۔ آمین

ایک مخلص کا خفیہ تعاون

جیساکہ گذشتہ اوراق میں لکھا گیا میری اعلیٰ
تعلیم کا آغاز و انجام مدرسہ مظاہر علوم (سہارنپور)
میں ۱۹۵۳ء سے ۱۹۵۸ء تک رہا، اس طویل عرصہ میں جہاں والد مرحوم اور بڑے
بھائی لطیف ساجد مرحوم کا گرانقدر تعاون رہا وہاں شہر حیدرآباد کے محلہ ریڈہل
(لال ٹیکری) کے ایک گمنام بزرگ مولوی سردار علی صاحب مرحوم کا ماہانہ تین روپے
والا تعاون بھی قابلِ ذکر ہے اور طلبۂ علم دین کا تعاون کرنے والے مخلصین کے
لئے باعثِ تقلید بھی۔
موصوف دَورِ نظام شاہی میں وظیفہ حُسن خدمت پر علیحدہ ہوگئے تھے اور
زہد و قناعت کی زندگی بسر کر رہے تھے مرحوم کو کسی طرح میری معاشی حالت کا
علم ہوا مجھ کو خط لکھا کہ میں لوجہ اللہ ماہانہ تین روپیوں سے آپ کی خدمت کرنا
چاہتا ہوں اس کو قبول کیجئے اور براہِ کرم میری حیات تک اس خدمت کو ظاہر
نہ ہونے دیں؟
عجیب مخلصانہ گذارش تھی میں نے اس کو تبرک خیال کیا اور قبول کرلیا۔

ہر ماہ مقررہ تاریخ پر تین روپیوں کا منی آرڈر آتا رہا، اللہ اللہ مبالغہ کی بات نہیں حقیقت کا اظہار کر رہا ہوں کہ اِن تین روپیوں میں ایسی برکت دیکھی ہے جو بڑی بڑی رقم میں اہل دنیا نے نہ پائی ہوگی، ہر ماہ سرکاری خزانے سے اپنا وظیفہ لے کر منی آرڈر کئے بغیر اپنے گھر نہیں آتے۔ حسب ہدایت مرحوم کی زندگی تک اس خصوصی تعاون کا کسی سے بھی ذکر نہیں کیا ۱۹۷۹ء میں انتقال فرمایا۔ اللہ ان سب معاونین کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مناصب نصیب کرے۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی اور مولانا منظور احمد نعمانی

زمانہ طالبعلمی میں جیسے بزرگوں کی خدمت کرنا میرا محبوب مشغلہ تھا ایسے ہی ان حضرات کی کبھی کبھی دعوت کرنا بھی پسندیدہ عمل تھا دعوت کیا ہوتی چند پیسوں کی دو ایک چیزیں لے آتا اور ان حضرات کی تواضع کر دیتا یہ حضرات اپنی اعلیٰ ظرفی اور طلبہ نوازی کے جذبے سے یہ زحمت قبول فرما لیتے اور دعائیں دیتے ایسے ہی ایک موقع پر مولانا ابوالحسن علی ندوی اور مولانا منظور نعمانی سہارن پور آئے یہ دونوں حضرات اپنے شیخ و مرشد حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائپوریؒ سے ملاقات کیلئے وقتاً فوقتاً سہارن پور آیا کرتے تھے چند گھنٹے مدرسہ مظاہر علوم میں قیام کر کے قصبہ رائے پور تشریف لیجاتے اسی طرح واپسی پر بھی چند گھنٹے مدرسہ میں قیام فرماتے اور اس عرصے میں ہمارے استاذ حدیث مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث کے مہمان ہوتے میں نے ایک دن ان دونوں کی چائے پر دعوت کر دی دعوت قبول ہوگئی بازار سے دو آنے کے پاپے (سہارن پور کے خاص بسکٹ) خریدے اور چائے بنائی بس دعوت کا انتظام ہوگیا، دونوں مہمان تشریف لائے دسترخوان کی سادگی پر انھیں وہ

وہ لطف آیا جو بھرپور دسترخوان پر نہ دیکھا گیا ہو، بڑے مزے لے کر چائے فرماتے رہے۔ اس خوشگوار ماحول سے میں نے فائدہ اٹھایا اور مولانا علی میاں صاحب سے ایک سوال کر دیا۔

مولانا! عربی بولنا اور لکھنا کس طرح آتا ہے؟ (یہاں یہ بات قابل ذکر ہے مولانا علی میاں صاحب ایک کامیاب ادیب اور مشہور زمانہ مصنّف ہیں)

میرے سوال پر مولانا مسکرا دیئے اور فرمایا اسی طرح جس میں آپ اس وقت مشغول ہیں (یعنی تحصیل علم میں جدوجہد سے) میں خاموش ہو گیا، مولانا نے میری عدم تسلّی کو محسوس کیا فرمایا جواب تو یہی ہے۔ البتہ میرا اپنا تجربہ یہ ہے کہ ایک ہزار صفحات کا مطالعہ کرنے سے ایک صفحہ لکھنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے اس بات پر میرے تعجب کو محسوس کیا فرمایا غالباً آپ یہ سمجھتے ہوں کہ ایک ہزار صفحات کے مطالعہ کے بعد آپ ایک صفحہ لکھ دیں گے؟

میں نے کہا جی ہاں! فرمایا جی نہیں میں صلاحیت اور قدرت کی بات کر رہا ہوں لکھنے کی نہیں اور یہ اللہ ہی کو معلوم ہے کہ آپ لکھنے کے کب قابل ہونگے؟ بس مطالعہ جاری رکھئے بات ختم ہو گئی۔ مولانا محمد منظور صاحب نعمانی خاموش اپنے کام میں مشغول تھے (یعنی چائے نوشی) میں نے انھیں بھی چھیڑا عرض کیا مولانا مجھکو علم مناظرہ سے دلچسپی ہے، مناظرہ کے بارے میں کچھ ہدایات فرمایئے؟ (مولانا محمد منظور صاحب نعمانی علم مناظرہ کے ماہرین میں شمار کیئے جاتے ہیں، انگریزی دَور میں ان کی بیش بہا خدمات رہی ہیں باطل فرقوں سے کامیاب مقابلے کیئے ہیں اپنی ساری جوانی اسی کام میں صرف کی ہے) میری درخواست پر مولانا اچانک کھل پڑے فرمایا یہ حقیقت ہے کہ میری جوانی اسی کام میں صرف ہوئی ہے۔ عمر عزیز کے تیس سال باطل فرقوں سے مناظرہ کرنے میں ختم ہوئے ہیں۔ غیر منقسم ہندوستان

میں اعلان عام کر چکا تھا کہ عیسائی، یہودی، آریہ سماجی، قادیانی غرض کوئی بھی فرقہ اسلام یا اہل اسلام کو چیلنج کرے تو لکھنؤ دیو، پی ، تار کر دیا جائے اندرون پندرہ منٹ گھر سے نکل پڑتا تھا۔ خارجی ضرورتوں کے علاوہ خانگی تقاضے اور سردی، گرمی بارش، طوفان، بیماری دُکھ دَرد غرض کوئی عذر بھی مجھکو باز نہ رکھتا تھا، بے شمار معرکہ سر کئے۔ غیر مسلموں سے ہٹ کر اندرون خانہ گمراہ فرقوں سے بھی نبرد آزمائی رہی۔ اہل سنت کو ہر جگہ غلبہ نصیب ہوا۔ بہرحال جو ہونا تھا، سو ہو گیا، لیکن اب میں دوستوں کو مشورہ دیتا ہوں کہ موجودہ دَور میں تبلیغ کے لئے مناظرہ کا میدان اختیار نہ کیا جائے۔ اس کا نقصان اس کے فائدے سے زیادہ ہے۔ مناظروں سے بہت کم لوگوں کو ہدایت ملی ہے۔ البتہ موقتی طور پر فتنہ ضرور دب جاتا ہے۔ اس لئے صاحبزادے میں آپ کو بھی یہی مشورہ دوں گا کہ موجودہ زمانے میں تبلیغ اسلام کے لئے کوئی مثبت کام اختیار کیا جائے یہ کام جہاں پُرامن ہے پُر نفع بھی ہے البتہ علم مناظرہ کی ضرورت اپنی جگہ مسلّم رہے گی۔ اس مختصر گفتگو کے بعد دعوت کا وقت ختم ہو گیا اور دونوں مہمان دعائیں دیتے رخصت ہو گئے۔

شیخ عبدالمنعم النمر اور شیخ عبدالعال العقباری

یہ دونوں بزرگ جامعۃ الازہر (مصر) کے ممتاز اساتذہ عربی ادب اور فلسفۂ اسلامی کے ماہرین میں شمار کئے جاتے ہیں۔ حکومتِ مصر کی جانب سے ثقافت اور اسلامی تہذیب و تمدّن کی نشر و اشاعت کے لئے دارالعلوم روانہ کئے گئے تھے۔ ان علماء کا دارالعلوم دیوبند میں دو سال قیام رہا، اعلیٰ جماعت کے طلبہ کو عربی ادب (تحریر و تقریر) کا درس دیا کرتے تھے۔

درسِ نظامی (ہندو پاک کے دینی مدارس کا نصاب تعلیم) میں جہاں سینکڑوں خوبیاں ہیں وہاں ایک کمی ہر زمانے میں یہ محسوس کی جاتی رہی ہے کہ اس کے

فارغین میں عام طور پر برجستہ عربی بولنے لکھنے کی استعداد ناتمام رہی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ یہ نصابِ تعلیم کا عیب نہیں بلکہ نصابِ تعلیم کے مقاصد میں تحریر و تقریر کو شامل نہیں رکھا گیا۔ لِكُلِّ قَوْمٍ مَقَاصِدُ۔

چونکہ عربی تحریر و تقریر بھی اشاعتِ دین میں ممد و معاون رہی ہے اس لئے دارالعلوم دیوبند نے حکومتِ مصر کی اس مخلصانہ پیشکش کو قبول کر لیا، یہ دونوں اساتذہ مدرسہ کے خارجی اوقات میں عربی ادب کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ طلبہ کی کثیر تعداد استفادہ کرتی تھی لیکن مظاہر علوم (سہارن پور) جہاں میرا قیام تھا ایسا کوئی انتظام نہ تھا میں کبھی کبھی اپنے بعض دوستوں کے ساتھ دیوبند چلا جاتا تو ان مصری علماء سے ملاقات کے لئے ان کے گھر بھی جایا کرتا تھا۔ ایک ایسے ہی موقعہ پر ہم شیخ عبد المنعم کے گھر پر موجود تھے اندرونِ خانہ سے ان کی کمسن لڑکی (ڈھائی سالہ) تیزی سے دوڑتی شیخ کے پاس آئی اور ہم کو دیکھ کر درمیانِ راہ رُک گئی۔ شیخ نے بلند آواز سے کہا تَعَالِیْ یَا عَزِّیْ تَعَالِیْ۔ (عزّی بچی کا نام تھا) پھر جب وہ قریب آئی تو سب کو سلام کیا، شیخ نے ہم سے کہا کہ ہماری اس بچی نے اُردو بولنا سیکھ لیا ہے پھر بچی سے کہا۔ یَا عَزِّیْ قُوْلِیْ کَیْفَ تَقُوْلِیْنَ اُرْدُوِیَّۃ۔ پھر کیا تھا وہ نان اسٹاپ اُردو کی موٹی موٹی گالیاں بولنے لگی، ہم حیران ہو گئے۔ لیکن شیخ بہت خوش ہو رہے تھے کہ ماشاء اللہ کس روانی سے اُردو بول رہی ہے۔ میں نے کہا شیخ یہ تو اُردو زبان کی فحش گالیاں ہیں۔ اس کو کس نے سکھا دیا ہے؟ اس پر شیخ کو بھی بہت تعجب ہوا کہنے لگے پڑوسی بچوں کے ساتھ دن رات کھیلتی ہے ان کی بول چال سیکھ لیا ہے۔

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝

الغرض میں اس ملاقات میں ان مصری علماء سے یہ گذارش کرنا چاہتا تھا کہ

اپنی خصوصی سفارش سے کسی بھی طرح مجھکو جامعۂ ازہر (مصر) میں داخلہ دلوایا جائے جامعۂ ازہر کی عالمی شہرت سے میں خوب واقف تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ رازیؒ غزالیؒ جیسے آفتاب و ماہتاب اسی درسگاہ کے فیض یافتہ ہیں میں نے ان حضرات سے اپنی اس دیرینہ خواہش کا اظہار کر دیا، شیخ عبدالمنعم مسکرادیئے پوچھا آپ جامعۂ ازہر میں کیوں پڑھنا چاہتے ہیں؟ میں نے کہا حدیث و تفسیر و فقہ کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا چاہتا ہوں۔

اس پر اپنے رفیق شیخ عبدالعال کی طرف متوجہ ہوئے کہنے لگے دیکھئے اس لڑکے کا کتنا اونچا مقصد ہے اور اس مقصد کے حصول کے لئے جامعۂ ازہر میں پڑھنا چاہتا ہے۔

پھر میری جانب متوجہ ہوئے فرمایا صاحبزادے حدیث وتفسیر کی تعلیم یہاں دارالعلوم دیوبند میں جس اعلیٰ پیمانے پر دی جاتی ہے وہ تو دنیائے اسلام کے کسی بھی ملک میں اس کی مثال نہیں ہے آپ اپنے مقصد کیلئے اعلیٰ ترین مدرسہ میں آچکے ہیں اب کہیں جانے کی ضرورت نہیں۔ ہاں اگر آپ کو عربی ادب، اسلامی فلسفہ، تاریخ و سیرت اور دیگر علوم اسلامی کی خواہش ہو تو جامعۂ ازہر اس کے لئے بہترین درسگاہ ہے ہم آپ کی خواہش پوری کر دیں گے۔

فرمایئے آپ کا کیا خیال ہے؟ میں نے کہا نہیں نہیں میرا مقصد تو وہی ہے جو میں نے عرض کیا ہے۔ بات ختم ہو گئی، اللہ اکبر، دارالعلوم دیوبند مظاہر علوم سہارن پور اور اس جیسے مدارس کے بارے میں غیر ملکی اہل عرب خاص طور پر جامعۂ ازہر کے ممتاز اساتذہ کا یہ تبصرہ کچھ خوش عقیدگی یا وضع داری کی بنیاد پر نہ تھا اور نہ یہ موقعہ ان کے خیر مقدم و استقبال کا تھا اور نہ کسی خاص

عنوان کے تحت انھیں زحمتِ کلام دی گئی تھی، یہ ایک خالص نجی گفتگو تھی اور وہ بھی ایک غیر معروف طالب علم کے ساتھ جو ابھی تحصیل علم کی منزل بھی طے نہ کی ہو۔ جامعہ ازہر کے ان ممتاز علمار کرام کی اس گفتگو سے جہاں مجھے سکون و اطمینان ملا وہاں اپنے مدرسہ اور اپنے اساتذہ کرام کی عظمت واہمیت سے دل سرشار ہوگیا۔ میں ہی کیا بہت سے لوگ ابھی تک اس حقیقت سے ناآشنا تھے کہ ہمارے اکابر نے ہندوپاک میں دینی مدارس کا جو سلسلہ جاری کیا ہے وہ دنیائے اسلام میں اپنی نظیر آپ ہے۔ قرآن فہمی اور حدیث دانی کا جو معیار ان مدارس میں ملتا ہے وہ اہلِ عرب کیلئے بھی قابلِ رشک اور باعثِ افتخار ہے۔

شیخ عبدالمنعم النمر کے اس اظہار خیال کے بعد ایک اور شہادت بھی سننے میں آئی، جدہ (سعودی عرب) کی جس مسجد میں امامتِ صلوٰۃ میرے سپرد ہے اس مسجد میں مقامی عالم شیخ احمد سالمی کا ہر روز بعد مغرب درس حدیث وتفسیر ہوا کرتا ہے۔ ایک دن اثنائے درس اُن کی زبان سے یہ کلمات نکل پڑے۔

قرآن حکیم مکۃ المکرمہ میں نازل ہوا، پڑھا گیا مصر میں اور سمجھا گیا ہندوستان میں

اگرچہ میں درس میں شریک نہ تھا قریب ہی بیٹھا اپنے تالیفی کام میں مشغول تھا شیخ احمد کے یہ کلمات میری توجہ کو کھینچ لئے، بعد فراغتِ درس میں نے شیخ احمدؒ سے دریافت کیا،

شیخ کیا یہ بات ایسے ہی ہے جیساکہ آپ نے بیان کیا؟

فرمایا ہاں عام طور پر ایسے ہی کہا جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

میں نے اپنے دل میں کہا کہ ہم جب ہندوستان میں تھے تو یہی بات علی الاعلان

کہدیا کرتے تھے سعودی عرب آنے کے بعد اظہار کرنا تو درکنار خیال بھی نہیں آتا تھا لیکن یہاں اپنوں میں نہیں اہل عرب سے سننے کے بعد تو ہمارے علمار کرام اور مدارس دینیہ کی عظمت پھر تازہ ہو گئی۔

الغرض میں مبعوث الازہر شیخ عبدالمنعم النمر کی گفتگو نقل کر رہا تھا یہ واقعہ ۱۹۵۸ء کے قریب زمانے کا ہے۔ مصر کے یہ دونوں استاذ کبھی کبھی ہمارے اُستاذ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ سے ملاقات کیلئے سہارن پور بھی آیا کرتے تھے ایک ایسی ہی ملاقات میں میں نے موقعہ پاکر اپنی پہلی تالیف جو "قصص الحدیث" کے عنوان پر مرتب کی تھی شیخ عبدالمنعم کو دکھائی (جو غیر مطبوعہ تھی)

شیخ عبدالمنعم نے نہایت حیرت اور مسرت سے اس کا استقبال کیا اور چیدہ چیدہ اوراق پر نظر ڈالی پھر اپنے رفیق شیخ عبدالعال العقباوی کو دیا اور فرمایا دیکھو یہ لڑکا اپنی اس کم عمری میں کتنا اچھا کام انجام دیا ہے اور کیسا نفیس انتخاب ہے۔ شیخ عبدالعال نے بھی غیر معمولی مسرت کا اظہار کیا اور دُعا دی۔ پھر شیخ عبدالمنعم النمر سے کہا کہ اس طالب علم کی ہمت افزائی کیلئے چند کلمات بھی لکھدو چنانچہ کتاب کے مسودہ پر بطور تقریظ اس طرح تحریر کیا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الحمدُ لله ربّ العٰلمين والصّلوٰة والسّلام علىٰ نبيه الكريم وآله وصحبه والتابعين۔ وبعد، فقد اطلعت علىٰ ما جمعهٗ اخونا عبد الرحمٰن اشرف الحيد رآبادی من مختلف الاحاديث ذات الاتجاه القصصي الوعظي وأعجبت باتجاهه وبالمجهود الذی بذله فی جمع هذه الاحاديث

وتدوينها مما يدل على اتجاه حسن وباكورة طيبة أرجو
ان يثمر ثمرًا مباركا على مر الأنام والله اسأل ان ينفع
به الاسلام والمسلمين - آمين

عبد المنعم النمر

مبعوث الازهر والمؤتمر الاسلامي
فى الهند

۱۲/۳/۱۹۵۸ء

جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے یہ واقعہ ۱۹۵۸ء کے اوائل کا ہے اس واقعہ سے ٹھیک (۲۳) سال بعد ۱۹۸۱ء میں اسلامی ممالک کی سیر و سیاحت کے ضمن قاہرہ (مصر) جانے کا اتفاق ہوا (تفصیلات آئندہ صفحات میں مطالعہ کیجئے) شہر قاہرہ میں جامعہ ازہر کی پہلی زیارت رہی، مفتیٔ ازہر شیخ کے علاوہ جامعہ کے اساتذہ کرام سے بھی ملاقات رہی اور ازہری تعلیم نظام پر بھی معلومات حاصل کئے۔

رازی، غزالی کی جائے نشست بھی عقیدت کی نگاہوں سے دیکھی، ایک استاذ سے مبعوث الازہر شیخ عبدالمنعم النمر کا تذکرہ اور ملاقات کی خواہش ظاہر کی تو معلوم ہوا کہ شیخ آجکل وزارتِ امورِ مذہبی کے وزیر ہیں اور بہت بڑی شخصیت کے مالک ہیں ملاقات کیلئے قبل از وقت اجازت لینی ضروری ہے لیکن وہ اس وقت بیرون ملک دورے پر تھے۔ ملاقات کا امکان نہ تھا۔

اگر وہ شہر میں موجود ہوتے تو میں کسی بھی وقت اُن کے پاس چلا جاتا یہ میرے لئے کچھ مشکل نہ تھا۔ فَقَدَّرَ اللّٰهُ مَا شَاءَ

درس و تدریس کا اہتمام

ہمارے مدارس اسلامیہ کی خصوصیات میں درس و تدریس کا اہتمام نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔

درس کا آغاز ماہِ شوال سے ماہ شعبان (گیارہ ماہ) میں اختتام پذیر ہوتا ہے ان گیارہ مہینوں میں چھٹیوں یا تعطیلات کا کوئی نظام نہیں ملتا، البتہ عید الاضحیٰ چونکہ درمیان سال آجاتی ہے اس لئے ان دنوں تین چار یوم کی چھٹی ہوجاتی ہے اس کے علاوہ نہ موسم سرما کی چھٹیاں نہ گرما کی تعطیلات، دیگر چھٹیوں کا تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، طلبہ سال بھر ہمہ تن تعلیم میں مشغول رہتے ہیں، انھیں یہ احساس تک ہونے نہیں پاتا کہ باہر کی دُنیا میں کیا کیا حوادث، انقلابات اور غیر معمولی واقعات پیش آرہے ہیں، اوقات کی پابندی، تعلیم کا اہتمام ان مدارس کی امتیازی علامت رہی ہے۔

پہلی حکایت بیرونِ خانہ کی بات نہیں اندرونِ خانہ کی ایک حکایت میری چشم دید حکایت ہے ہمارے اساتذہ میں علم اصول فقہ کے استاذ مولانا اکبر علی صاحبؒ تھے (جو ۱۹۵۶ء کے بعد مظاہر علوم سہارنپور چھوڑ کر دار العلوم کورنگی (کراچی) منتقل ہو گئے تھے) موصوف کے درس کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ پورا گھنٹہ درس میں مشغول رکھتے تھے کسی بھی درس میں نہ ابتدائی تاخیر کرتے اور نہ وقت سے پہلے اختتام کرتے، صبح کے چار گھنٹے اسی شان سے تکمیل پاتے پھر شام کے تین گھنٹے بھی اسی طرح گزرتے۔

ایک دن حسب معمول درسگاہ تشریف لائے اسی نہج پر صبح کا درس مکمل کیا وقت سے صرف آدھا گھنٹہ پہلے درس برخواست کیا اور غمزدہ آواز میں طلبہ سے معذرت چاہی فرمایا رات میری لڑکی کا انتقال ہوگیا آپ سب اس کے لئے دُعائے مغفرت کریں، غسل وکفن کا انتظام ہوچکا ہوگا۔ مجھے درس برخواست کرنے کی اجازت دیجئے۔ یہ کہہ کر اُٹھ گئے۔ اللہ اکبر کبیرا بے ساختہ ہماری چیخیں نکل گئیں کہ ہم یہ کیا سُن رہے ہیں؟ استاذ محترم یہ

کہتے ہوئے سیدھے اپنے گھر پہنچے ہم بھی کتابیں رکھکر دوڑ پڑے دیکھا کہ جنازہ تیار رکھا ہے مدرسہ کے اساتذہ بھی آگئے ہیں اور محلّے کی لوگ بھی جمع ہیں تھوڑی دیر میں جنازہ روانہ ہوا سوگوار فضا میں قبرستان پہنچے اور تدفین عمل میں آئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۝

اس حادثے کے تقریباً (۳۵) سال بعد ۱۹۹۰ء جدّہ (سعودی عرب) میں حضرت استاذ مرحوم کے ایک صاحبزادے سے ملاقات ہوئی اثنائے گفتگو حضرت استاذ مرحوم کی صاحبزادی کا وہ واقعہ میں نے بیان کیا، موصوف نے مزید یہ کہا کہ ہماری یہ بڑی ہمشیرہ اٹھارہ۱۸ بیس۲۰ سالہ عمر کی تھیں والد صاحب مرحوم انھیں بیحد چاہتے تھے وہ عالمہ بھی تھیں، شادی کی تیاریاں مکمل ہوگئیں تھیں انھیں دنوں ان کا اچانک انتقال ہوگیا۔ میں ان دنوں آٹھ۸ دس۱۰ سال کا تھا مزید تفصیلات یاد نہیں۔ رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَیْرُ الرّٰحِمِیْن ۝

دوسری حکایت جیسے یہ میرا چشم دید واقعہ تھا ایسے ہی مظاہر علوم سہارنپور کے ناظمِ اعلیٰ استاذ محترم مولانا عبداللطیف صاحب رح کی وفات کا واقعہ بھی قابلِ ذکر ہے۔ یہ اس وقت ناظمِ مدرسہ ہی نہ تھے استاذ الاساتذہ کی حیثیت رکھتے تھے مظاہر علوم سہارنپور کا کوئی استاذ ایسا نہ تھا جو آپ کا شاگرد یا شاگرد کا شاگرد نہ ہو، اپنی طبعی عمر میں انتقال فرمایا، مدرسہ حسب معمول جاری تھا ممکن ہے اساتذہ حضرات کو اس کا علم ہو لیکن طلبہ اس حادثے سے لاعلم تھے۔ صبح کا پہلا تعلیمی دور ختم ہوا، اختتامِ درس کے بعد مدرسہ میں اعلان کیا گیا کہ حضرت ناظم صاحب کا رات انتقال ہوچکا ہے جنازہ تیار ہے جو طلبہ صلوٰۃ جنازہ میں شرکت کرنا چاہیں جلد از جلد حضرت ناظم صاحب کے گھر پہنچیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ۝ طلبہ دوڑ پڑے جنازہ تیار تھا

آناً فاناً قبرستان روانہ ہوا۔ آدھے پون گھنٹے میں علم و فضل کا یہ آفتاب و مہتاب سپردِ خاک کر دیا گیا۔ طَيَّبَ اللّٰهُ ثَرَاهُ وَاَسْكَنَهٗ فَسِيْحَ جِنَانِهٖ۔

شام میں حسب معمول مدرسہ کی سرگرمیاں جاری ہو گئیں۔ درس و تدریس کا یہ اہتمام نادر نہ سہی عجائب عالم میں یقیناً شمار ہو گا۔ ہمارے مدارس کا یہ مزاج کوئی اتفاقی یا مؤقتی مزاج نہ تھا اور نہ یہ کسی خاص مدرسہ کی خصوصیت رہی ہے بلکہ ایک عام روایت تھی جو ان مدارس میں جاری و ساری رہی ہے کہ درس و تدریس میں کوئی خلل بھی برداشت نہیں کیا جانا چاہئے۔

یہ مدارس حوادثِ زمانہ سے متأثر ہو کر اپنا مرکزی کردار ہاتھ سے جانے نہ دیتے تھے، تعلیم و تبلیغ کا نظام برابر جاری رہنا یہی وجہ ہے کہ جس نے بھی ان مدارس سے کامل وابستگی قائم رکھی وہ محروم نہ ہوا علوم و معارف کے ابواب تک جا پہنچا۔

بہر حال میرے دور طالبعلمی سے یہ دو واقعات نے جہاں علم کی منزلت کو اجاگر کیا وہاں مقصد کے حصول کیلئے راہ نما اصول بھی فراہم کئے ہیں۔

تعلیم کا آخری سال

ہمارے نصاب تعلیم کا آخری سال "دورۂ حدیث" کہلاتا ہے جو عام طور پر نصاب کا نواں سال ہوا کرتا ہے اس سے پہلے آٹھ سال میں دیگر علوم و فنون کی کتابیں ختم ہو جاتی ہیں اس آخری سال میں صرف علم حدیث کی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں۔

ان کتابوں میں

بخاری[1] شریف، مسلم[2] شریف، ترمذی[3] شریف، ابوداؤد[4] شریف
نسائی[5] شریف، ابن[6] ماجہ شریف

ان کے علاوہ طحاوی[7] شریف، مؤطا امام[8] مالکؒ، مؤطا امام[9] محمدؒ

شمائل ترمذی، کتاب حدیث مسلسلات،
احادیث صحیحہ کا یہ وہ عظیم ذخیرہ ہے جس پر اسلام کی پوری عمارت کھڑی ہو جاتی ہے۔

ان سطور کے قارئین کو یہ حقیقت حیرت و استعجاب میں ڈال دیگی کہ صرف ایک سال میں ان کتابوں کو اوّل سے آخر تک حرفاً حرفاً ختم کروا دیا جاتا ہے ایسے طور پر کہ ایک حدیث بھی متروک نہ ہو ہر کتاب میں ہزار ہا ہزار احادیث ہوتی ہیں صرف ایک کتاب بخاری شریف میں ہی ہزار ہا ہزار احادیث ہیں۔

ایک قابلِ فخر دوست

میرے ایک دوست قاری ولی اللہ الہ آبادی نے دورۂ حدیث کے آخری دن اپنی ایک بات کا اظہار کر کے اپنے سب دوستوں کو حیرت و رشک میں ڈال دیا۔

کہنے لگے آج میں پورے اعتماد کے ساتھ یہ کہتے ہوئے فخر محسوس کرتا ہوں کہ ذخیرۂ احادیث کی کوئی ایک حدیث ایسی نہیں جس کو میں نے پڑھا نہ ہو یا سنا نہ ہو۔

جس کا مطلب یہ ہوا کہ مذکرہ بالا کتابوں کی تمام احادیث پڑھی ہیں یا سُنی گئیں کوئی حدیث پڑھنے یا سننے سے رہ نہ گئی، اللہ اکبر درسگاہ حدیث کا یہ معمول ہے کہ طالب علم احادیث کی تلاوت کرتا ہے اور استاذ اسکی تفہیم و تشریح کرتے ہیں ابتدائے سال میں تو ہر طالب علم کی یہ کوشش رہتی کہ وہ بھی تلاوت کرے چنانچہ سب نہیں اکثر طلبہ کو حدیث تلاوت کرنے کا موقعہ مل جاتا ہے۔ لیکن پہلی سہ ماہی کے بعد صرف دو چار طلبہ ہی یہ منصب حاصل کر لیتے ہیں اور پھر ختم سال تک تلاوتِ حدیث کی سعادت انھیں کے نصیب ہو جاتی، ان طلبہ

---

[1] موجودہ امام و خطیب مسجد النور نشان پارہ روڈ چارنل ڈونگری (بمبئی)

ہیں جہاں قاری ولی اللہ صاحب شامل ہیں۔ راقم الحروف بھی شامل تھا۔

بہرحال قاری ولی اللہ صاحب نے اپنی جس حقیقت کا اظہار کیا ہے وہ ایسے ہی واقعہ ہے۔ سال بھر کے ایام کچھ مختصر وقت کے نہیں ہوتے، اس طویل عرصے میں حرج مرض سب ہی کو پیش آتے ہیں قاری صاحب کو بارہا دیکھا گیا کہ جب وہ بیمار ہوتے یا کسی عذر میں مبتلا ہوتے تو لحاف، چادر لپیٹ لپٹا کر درس گاہ کے ایک کونے میں بیٹھ جاتے اور احادیث کی تلاوت سماعت کرتے اسطرح عذرو بیماری میں بھی کوئی حدیث سننے سے متروک نہ ہوسکی۔

تقبّلَ اللہ منّا وَمِنھُم جمیع الخَیرات وَالحَسنات اِنّہٗ سمیعٌ مجیبٌ

طالب علم کی نظر و فکر

جیسا کہ اوپر لکھا گیا نصاب تعلیم کا آخری سال "دورۂ حدیث" کہلاتا ہے ہماری اس جماعت میں چھیاسی (۸۶) طلبہ شریک تھے ان میں ہر عمر کے طلبہ تھے جماعت کے سب سے زیادہ عمر والے طالب علم مولوی ظفیر الدین صاحب تھے جن کی عمر ساٹھ سال سے متجاوز تھی۔ دوسرے سب سے کم عمر طالب علم مولوی محمد یونس صاحب تھے جن کی عمر پندرہ سولہ سال تھی یہ ضلع بجنور (یو، پی) کے رہنے والے تھے سال کے آخری ایام میں ایک حدیث یہ بھی پڑھنے میں آئی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکّہ والے دن فجر کے وضو سے عشاء کی نماز ادا کی یعنی دن کی پانچوں نمازیں صرف ایک ہی وضو سے ادا فرمائی (الحدیث)

دوسرے دن بعد نمازِ عشاء مولوی محمد یونس صاحب نے ہم سے کہا الحمدللہ میں نے آج اس سنّت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو زندہ کیا ہے میں نے بھی آج فجر کے وضو سے عشاء کی نماز ادا کی ہے، ہم سب حیران رہ گئے کہ اس چھوٹے طالبعلم کی نظر کہاں تک جا پہنچی اس واقعہ کے تقریباً چونتیس ۳۴ سال بعد ۱۹۹۰ء میں

مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور کے مہمان خانے میں موصوف سے اچانک ملاقات ہوگئی مختصر تعارف کے بعد ایک دوسرے سے گلے ملے اور یادِ ماضی کا دیر تک تذکرہ رہا۔ بحمد للہ اس وقت وہ کسی دینی مدرسہ کے شیخ الحدیث ہیں۔

ختمِ بخاری شریف

کتب حدیث میں بخاری شریف کو خصوصی حیثیت حاصل ہے ویسے بھی یہ کتاب محدثین کی زبان میں اصح الکتب بعد کتاب اللہ" (قرآن حکیم کے بعد صحیح ترین کتاب) کہلاتی ہے مدارسِ دینی میں اس کتاب کے پڑھانے والے کو عموماً شیخ الحدیث کہا جاتا ہے جو علوم حدیث میں ممتاز حیثیت کا حامل ہوتا ہے زمانۂ قدیم سے اس کا درس اسی شان سے جاری رہا ہے جس کو ہزار سال سے زائد عرصہ ہو رہا ہے۔ مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور اور دارالعلوم دیوبند میں بخاری شریف جس تحقیق و اہتمام سے پڑھائی جاتی ہے عالم اسلام میں اس کی مثال شاذ و نادر ہی ہوگی۔

گزشتہ اوراق میں آپ نے جامعۂ ازہر (مصر) کے اساتذہ کا تبصرہ پڑھ لیا ہے ہمارے درسِ بخاری کے استاذ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ تھے۔ جن کی حدیث دانی، حدیث فہمی اور خدمتِ فی الحدیث کے شہرۂ آفاق تذکروں نے ان کے اصلی نام کو وصفی نام "شیخ الحدیث" ہی کے وصف سے مشہور کر دیا ہے۔ ملت میں ایسے بہت کم افراد ہوئے ہیں جن کے اصلی نام پر وصفی نام غلبہ پا گیا ہو۔

حضرت شیخ الحدیث کا درس بخاری روزانہ شام میں مسلسل ۲ دو گھنٹے ہوا کرتا تھا اور یہ ۲ دو گھنٹے نہایت مشغول ترین ہوا کرتے تھے۔ جیسا کہ میں نے گزشتہ اوراق میں لکھا ہے۔ مدرسہ مظاہر علوم کے اساتذہ کی کتابی تقریریں نہایت جامع اور مختصر ہوا کرتی تھیں، حضرت شیخ الحدیث ان میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔

بخاری شریف کی احادیث پر تقریر فرماکر اپنا آخری فیصلہ "چکّی کا پاٹ" کے عنوان سے دیدیا کرتے پھر آگے کا مضمون شروع فرماتے۔

حقیقت یہ ہے کہ احادیث کے اختلافی مضمون پر شیخ الحدیث کا اپنا ذاتی رجحان ایسا بھاری ہوا کرتا تھا کہ اِسکو انھوں نے "چکّی کا پاٹ" قرار دے لیا تھا، وزن اتنا کہ سب اقوال پر بھاری ہوجائے مضبوط اتنا کہ ٹوٹنے نہ پائے۔

اللہ تعالیٰ انھیں اعلیٰ علّیین کے بلند درجات نصیب کرے، بڑے ہی نصیب والے تھے۔ بہرحال میں یہ عرض کرنا چاہتا تھا کہ زمانۂ قدیم سے درس بخاری شریف کا خاص اہتمام رہا ہے اور خاص طور پر اس کے اختتام والے دن مزید اہتمام کا دستور چلا آرہا ہے۔

محدّثین کرام کے یہاں یہ روایت " کَابِرًا عَنْ کَابِرٍ" چلی آرہی ہے کہ بخاری شریف کے اختتام پر دُعا قبول ہوتی ہے اور اس کا انھوں نے بارہا تجربہ کیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ہمارے مدارس میں ختم بخاری شریف کے دن عامّۃ النّاس کا ہجوم ہوجاتا ہے سال کے آخری دنوں میں اہل شہر طلبہ سے مسلسل رابطہ قائم رکھتے ہیں تاکہ معلوم کریں کہ کس دن بخاری شریف کا اختتام ہوگا۔ اور پھر وہ دُعا میں شرکت کرسکیں۔

لیکن ہمارے شیخ الحدیث عامّۃ النّاس کو ایسا موقعہ بہت ہی کم دیا کرتے تھے حتّٰی کہ طلبہ کو بھی واضح طور پر یہ معلوم نہ ہوتا تھا کہ حضرت شیخ کس دن اختتام کرنے والے ہیں۔ بس طلبہ اپنے اپنے اندازوں پر اہل شہر کو اطلاع دیدیا کرتے تھے۔ یہ شیخ الحدیث کا اپنا مخصوص مزاج تھا وہ ہجوم اور شہرت سے دور رہنا پسند کرتے تھے۔ اور عملاً بھی اس کی صورتیں اختیار فرماتے تھے۔ مدرسہ

مظاہر علوم کا محلِ وقوع بھی مسلم اکثریت محلہ میں تھا معمولی سی اطلاع پر سینکڑوں مسلمان جمع ہو جایا کرتے۔

ہمارے ختم بخاری شریف کے دن بھی ایسے ہی ہوا ہم کو خود اندازہ نہ تھا کہ آج بخاری شریف کا اختتام ہوگا۔ شیخ الحدیث نے درس کے پہلے مرحلے میں تو عام رفتار ہی سے درس کا سلسلہ جاری رکھا لیکن جوں جوں وقت قریب ہوتا گیا رفتار درس بھی تیز تر ہونے لگی پھر تو آندھی وطوفان کی طرح ماحول بدلنے لگا اور شیخ کی برق رفتار تقریر نے سارے طلبہ کو اپنی گرفت میں لے لیا تب ہم نے سمجھا کہ حضرت شیخ درس کا اختتام کرنا چاہتے ہیں لیکن کس کی مجال تھی کہ درس سے اُٹھ کر باہر اطلاع دیدے۔ کتاب آخری صفحہ پر آگئی اور ہم کو یقین ہو گیا کہ آج بخاری شریف کا اختتام ہے پھر چند ہی منٹ بعد ہم نے دیکھا کہ دارالحدیث انسانی سروں سے بھرا جارہا ہے دروازوں، کھڑکیوں، بالکونیوں، آزو بازو کے کمروں میں انسانوں کا سیلاب جمع ہو گیا، بخاری شریف کا درس آخری سطور پر آگیا ہمارے دل بجلیوں کی طرح مچلنے لگے۔ اللہ اللہ عجیب رُوح پرور ماحول ہو گیا دل اُڑنے لگے، خوشی ومسرتوں سے چہرے دمکنے لگے۔ بس دو چار احادیث باقی تھیں کہ امیر جماعتِ تبلیغ داعی الی اللہ مولانا محمدؐ یوسفؒ اپنے چند رفقاء کے ساتھ دارالحدیث میں داخل ہوئے یہ ایک عجیب وغریب غیر متوقع تشریف آوری تھی جس نے دارالحدیث کے سارے طلبہ کو حیرت واستعجاب میں ڈال دیا۔

ماحول نے پھر ایک کروٹ بدلی روحانیت کا سمندر ٹوٹ پڑا، پوری فضا رَوح وریحان سے معطر ہو گئی حضرت شیخ الحدیث نے ایک لمحہ کیلئے درس روکا اور رئیس التبلیغ سے فرمایا "پیارے بیٹھ جا" حضرت شیخ کا یہ مخصوص لہجہ تھا۔

جب وہ محبت و پیار سے کسی کو خطاب کرتے تو "پیارے" کا لفظ استعمال کرتے،
مولانا محمد یوسفؒ اور ان کے رفقاء شیخ الحدیث کے بازو میں بیٹھ گئے۔ بس
دو چار منٹ بعد بخاری شریف کی آخری حدیث۔

کَلِمَتَانِ حَبِیْبَتَانِ اِلَی الرَّحْمٰنِ خَفِیْفَتَانِ عَلَی اللِّسَانِ
ثَقِیْلَتَانِ فِی الْمِیْزَانِ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ
اللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

کی تلاوت ختم ہوئی (اور یہ سعادت آپ کے اس خادم کے نصیب رہی)
بخاری شریف کا اختتام عمل میں آیا، حضرت شیخ نے امیر تبلیغ سے فرمایا
"پیارے دُعا کر"

بس اُس لمحہ دُعا کے لئے ہاتھ اٹھ گئے، دُعا شروع ہوگئی پندرہ بیس
منٹ ماثور و منقول دُعاؤں کا سلسلہ رہا پھر اچانک اُردو میں دُعا شروع
ہوئی اس وقت ہم نے دیکھا کہ دارالحدیث اور اس کے اطراف واکناف انسانی
ہجوم سے پُر ہوگئے اور لوگ ایک دوسرے پر گرے جا رہے ہیں چند ہی لمحات
کے بعد امیر تبلیغ کی دُعا نے ماحول کو آہ و بُکا کی کیفیت میں مبتلا کر دیا۔ کچھ
دیر نہ لگی کہ آنسوؤں کا سیلاب بہہ پڑا، خوف و خشیت آہ و بکا سے فضا
گونج اٹھی۔ لوگوں کی بے قراری و بے چینی اس حد تک آگئی کہ زمین پر سر
ٹیکنے لگے رُو رُو کر بے دَم ہوگئے۔ امیر تبلیغ کی دُعا سیل رواں کی طرح جاری تھی۔
دُعا کا ہر ہر لفظ برق و بخار بن کر دلوں کو پارہ پارہ کرنے لگا، آہ وزاری نے پوری
فضا کو غمناک کر دیا، نیچے شاہراہ کے چلنے والے بلالحاظ مذہب و ملت کھڑے
ہوگئے۔ اندرونِ مدرسہ اور بیرونِ مدرسہ انسانی سروں کا سمندر بن گیا۔ اخلاص و
خشیت کا عجیب و غریب منظر دیکھنے میں آیا۔

غیر مسلموں کی بہت بڑی تعداد دارالحدیث کے ارد گرد جمع ہو گئی اور ان لوگوں نے بھی بے اختیار دُعا کیلئے ہاتھ اٹھا دیئے۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ۔فَسُبْحَانَ الَّذِیْ بِیَدِہٖ مَلَکُوْتُ کُلِّ شَیْءٍ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالاتِ زندگی میں ایک واقعہ ایسا بھی ملتا ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ عام مجمع میں سورۃ النجم کی تلاوت فرمائی اور جب آیت سجدہ پر پہنچے تو آپ اور صحابہ کرام نے سجدہ کیا، مشرکین جو آس پاس کھڑے تھے وہ بھی سجدہ میں گر پڑے (مسلم، ترمذی)

شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں کہ اس وقت غاشیہ الہیہ (ایک غیبی و قہری تصرف) نے سب کو سربسجود کر دیا اور ہر ایک خواہی نخواہی سجدہ کرنے کیلئے بیقرار ہو گیا۔ (موضح القرآن)

امیر تبلیغ مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی دُعا میں بھی کچھ ایسا ہی منظر نظر آیا۔ طلبۂ دارالحدیث کے علاوہ عامۃ المسلمین بلکہ غیر مسلم حضرات بھی سسکیاں لے کر رو رہے تھے۔ پون گھنٹہ ختم ہونے آ گیا۔ مؤذن نے عصر کی اذان پڑھ دی شیخ الحدیث نے فرمایا۔ "بس پیارے بس"

حضرت امیر تبلیغ نے اپنے ہاتھ گرا دیئے، دارالحدیث گنج شہیداں کا منظر پیش کر رہا تھا کوئی چت پڑا ہوا ہے کوئی اوندھا، کوئی ٹیڑھا، کوئی ترچھا اور سینکڑوں افراد پر سکتہ چھایا ہوا ایسا معلوم ہوا کہ برق و باراں کا ایک طوفانی جھکڑ تھا جو یکدم موقوف ہو گیا۔ غمناک و سونی سونی فضا میں حضرت شیخ الحدیث اور امیر تبلیغ سلام کر کے رخصت ہو گئے اللہ تعالیٰ ان سب کو اعلیٰ علیین کے بلند درجات نصیب کرے اور جنت الفردوس کے روح و ریحان سے معطر کرے آمین۔ عجیب و غریب شخصیات تھیں۔

ختم بخاری شریف کے تذکرے پر ہمارے تحصیلِ علم کا ابتدائی اور انتہائی دور ختم ہوا سات سالہ دورِ تعلیمی کے یہ چیدہ چیدہ واقعات تھے جو اختصار کے ساتھ نقل کردیئے گئے ہیں البتہ ایک چھوٹا سا تذکرہ اور رہ گیا جو ہمارے دورِ تعلیمی کا ہی ایک حصّہ ہے اور جس کو دورِ تعلیمی کا تکملہ یا خاتمہ کہا جاسکتا ہے۔

سفرِ لاہور (پاکستان)

دورانِ تعلیم یہ بات سننے میں آیا کرتی تھی کہ شہر لاہور میں مولانا احمد علی صاحبؒ جن کو عام طور پر شیخ التفسیر کہا جاتا تھا قرآن پاک کی تفسیر کا سہ ماہی درس دیا کرتے ہیں اور اس درس میں شرکت کیلئے صرف انھیں طلبہ کو داخلہ ملتا ہے جو باضابطہ کسی مستند مدرسہ کے فارغ التحصیل ہوں۔ ہند و پاک میں ان کے اس درس کی شہرت تھی جب کبھی اس کا تذکرہ سننے میں آتا میری طبیعت مچل جاتی تھی۔ اور تقاضہ تازہ ہو جایا کرتا تھا کہ کس طرح اس درس کی تکمیل کرلی جائے لیکن اسباب میلوں نظر نہیں آتے تھے، جونہی ہماری تعلیمی فراغت ۱۹۵۸ء میں ہوئی تقاضے نے عملی صورت اختیار کرلی، خط و کتابت کے ذریعہ داخلہ کی اجازت حاصل کرلی گئی،

پاسپورٹ وغیرہ کا انتظام شہر کے اہل خیر نے کردیا، شدہ شدہ یہ بات مدرسہ میں عام ہوگئی ضلع اعظم گڈھ (یو،پی) کے ایک ہم سبق نے بھی ارادہ کرلیا میری ہمت اور مضبوط ہوگئی۔ میں اس وقت تک حضرت شیخ التفسیر کے درسی مالہٗ و ماعلیہ سے واقف نہ تھا۔ مظاہر علوم کے بعض اساتذہ نے مشورہ دیا کہ اب تمھیں مزید تحصیل علم کی ضرورت نہیں ہے اپنے وطن جاؤ اور اپنی عملی زندگی کا آغاز کرو، علم کا بھرپور حصّہ مل چکا ہے۔ لیکن میری علم جو طبیعت اس مشورے سے مطمئن نہ ہوسکی اور میں سفر کی تیاری میں مشغول ہوگیا۔ جیسا کہ میں نے گزشتہ

اوراق میں لکھا ہے مدرسہ مظاہر علوم میں میرے سرپرست ونگراں مولانا سید ظہورالحسن صاحب ناظم کتب خانہ امداد الغرباء تھے اور میرے ابتدائی دو تین سال حضرت موصوف کی زیر نگرانی کتب خانے میں ہی گزرے ہیں۔ بہرحال حضرت موصوف کو جب اس کا علم ہوا تو میرا ارادہ اُن پر بہت شاق گزرا پہلے تو نرم انداز میں اس ارادے سے باز رہنے کا مشورہ دیا پھر جب یہ محسوس کرلیا کہ میں اپنے ارادے میں مصمم ہوں تو حضرت شیخ التفسیر کے تفسیری اغلاط پر متنبہ کیا اور ارشاد فرمایا کہ اکثر علماء دیوبند خاص طور پر حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے ان کی اس تفسیر سے شدید اختلاف کیا ہے لہذا تم اس میں اپنا وقت ضائع مت کرو۔ لیکن میں پھر بھی مطمئن نہ ہوا۔ عربی کا مقولہ ہے۔ اَلْاِنْسَانُ حَرِیْصٌ فِیْمَا مُنِعَ حضرت اُستاذ کی اس خیر خواہی نے مزید طلب وجستجو میں اضافہ کردیا۔ ابتک تو صرف تحصیل علم کا تقاضہ تھا استاذ مرحوم کی اس آگاہی کے بعد شیخ التفسیر مولانا احمد علی صاحب سے ملاقات کا نیا تقاضہ پیدا ہوگیا۔ اس طرح دو آتشہ تقاضے نے سفر کی منزل اور قریب کردی، لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔

جب سفر کا جملہ انتظام پورا ہوگیا تو استاذ محترم مولانا سید ظہورالحسن صاحب سے آخری ملاقات کی حضرت موصوف کی یہ عالی ظرفی تھی کہ وداعی ملاقات پر دعائیں دی اور ایک چھوٹا سا رسالہ بھی عنایت کیا اور فرمایا کہ اسکو اپنے مطالعہ میں رکھو اس میں ان تفسیری اغلاط کی وضاحت ہے،

اس رسالہ کا نام "اَلتَّقْصِیْرُ فِی التَّفْسِیْرِ" تھا یہ وہی رسالہ تھا جسمیں حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب نے شیخ التفسیر مولانا احمد علی صاحب لاہوری کی تفسیر پر اعتراضات کئے ہیں اور جس میں شیخ التفسیر کے جوابات بھی نقل کئے گئے ہیں پھر ان جوابات پر حکیم الامت نے جواب الجواب بھی لکھا ہے۔

جب یہ رسالہ ہاتھ آیا تو ارادے میں نئی تحریک پیدا ہوئی کہ اب تو اس درس کی تکمیل کرنی ہی ہے۔ حضرت حکیم الامتؒ کے سامانِ حرب و ضرب کا ذخیرہ موجود ہے اب کس بات کا اندیشہ؟ دل مطمئن ہو گیا کہ حکیم الامت ساتھ ہیں۔ سہارنپور سے امرتسر پہنچا، امرتسر سے ایک خصوصی چھوٹی سی ٹرین نے مسافروں کو لاہور پہنچا دیا، ارضِ پاکستان پر قدم رکھتے ہی دارکفر و شرک سے دُوری محسوس ہوئی۔ شیخ التفسیر مولانا احمد علی صاحب کے مدرسہ انجمن خدّام الدین پہنچا، انجمن کے منتظم شیخ التفسیر کے صاحبزادے مولانا عبیداللہ صاحب نے نہایت اکرام کے ساتھ خوش آمدید کہا۔ انجمن کی نفیس و پاکیزہ عمارت میں ہم دونوں طالب علم کو ایک کمرہ دیا جس میں رہائش کی جملہ چیزیں موجود تھیں۔ نمازِ ظہر کے بعد حضرت شیخ التفسیر سے ملاقات کروائی گئی پہلی ہی نظر میں موصوف کی شخصیت نے متأثر کر دیا۔ عالمانہ شکل و صورت، تقویٰ طہارت کے آثار نمایاں، نحیف و ناتواں بدن لیکن عزم و ہمت سے بھرپور، چال ڈھال میں قدامت، سلف صالحین کا نمونہ، موٹا دھوٹا لباس ہمارے مختصر تعارف کے بعد ارشاد فرمایا آج آپ آرام کریں کل صبح درس میں آجانا۔ بس ہمارا داخلہ ہو گیا۔

لاہور کی تفسیری درسگاہ

دار التفسیر کی کوئی مستقل عمارت نہ تھی مسجد کے اندر ہی انتظام تھا صبح آٹھ بجے سے بلا وقفہ بارہ بجے تک مسلسل چار گھنٹے شیخ التفسیر درس دیا کرتے تھے طلبہ کی تعداد بھی سو سے اوپر تھی غیر منقسم پاکستان کے طلبہ کے علاوہ سرحدی علاقوں کے طلبہ زیادہ تھے اور یہ سب طلبہ فارغ التحصیل علماء تھے، ہندوستان کے صرف ہم دو شریک درس تھے۔ ہمیں صفِ اوّل میں شیخ التفسیر کے بالمقابل جگہ دی گئی۔

ابتدائی ہفتہ تفسیرِ قرآن کی مبادیات میں گزرا جو علوم تفسیر سے متعلق تھے پھر شیخ التفسیر کا اپنا مخصوص درس شروع ہوا۔ آغازِ درس سے پہلے خصوصیت سے ایک اہم نکتے پر متنبہ کیا، فرمایا ہمارا یہ درس تفسیرِ قرآن سے متعلق نہیں ہے بلکہ تاویلِ قرآن سے تعلق رکھتا ہے گویا پورا نصاب تاویلِ قرآن کا ہے، تفسیر اور تاویل کی وضاحت اس طرح فرمائی کہ مفہوم اور مرادِ قرآنی کو تفسیر کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ عام مفسرین کرام بیان کرتے ہیں، اور تاویل ایسے مضمون کا نام ہے جو قرآنی آیات سے اخذ کیا گیا ہو اور جو قرآن کے منشاء و مراد سے ٹکراتا نہ ہو۔ یعنی کسی آیت سے اس کے حقیقی معنیٰ و مراد سے ہٹ کر کوئی ایسی مفید بات لی جائے جس کے لئے وہ آیت نازل نہ ہوئی ہو تاہم وہ آیت اس مفید بات کے مخالف بھی نہ ہو۔ ایسی مفید بات کو تاویل قرآن کہا جاتا ہے۔ تاویلِ قرآن کی یہ تعریف تفسیر خازن کے مفسر نے ایسے ہی بیان کیا ہے۔

بہرحال ہمارا یہ سہ ماہی درس "تاویل قرآن" سے متعلق ہے۔

حضرت شیخ التفسیر نے قرآنی سورتوں کی چند مختلف آیات اور بعض چھوٹی چھوٹی سورتوں کا انتخاب کیا ہے جن کی وہ تاویل بیان کرتے ہیں ایسے تمام مضامین کو قرآن حکیم کے حاشیہ پر طبع کروا دیا گیا ہے جس کو انجمن خدام الدین لاہور نے شائع کیا ہے۔ یہ قرآن سارے طلبہ میں تقسیم کر دیئے جاتے ہیں اسی کے مطابق ہر روز صبح آٹھ تا بارہ ساعتِ دن درس قرآن دیا کرتے، نمازِ ظہر کے بعد سے عصر تک تالیفی و تصنیفی کام میں مشغول رہتے۔ عصر کے بعد سے مغرب تک عام مجلس ہوتی جس میں مقامی لوگ شرکت کرتے پھر نمازِ مغرب کے بعد مریدوں اور معتقدوں کے ساتھ حلقۂ ذکر کی محفل ہوتی جس میں ذکر بالجہر کا سلسلہ عشاء کی اذان تک جاری رہتا۔ ذکر کی یہ مجلس مسجد کے ایک وسیع و

کشادہ ہال میں روشنی بند کر کے منعقد ہوا کرتی تھی کثیر تعداد میں لوگ جمع ہو جایا کرتے تھے۔

عشاء کی نماز کے بعد تناول طعام فرماتے پھر مقامی خواتین کیلئے درس تفسیر دینے مسجد آجاتے جہاں پردے کا خصوصی انتظام ہوا کرتا تھا یہ درس بھی وہی تھا جو صبح علماء کرام کو دیا جاتا تھا اس کا سلسلہ بھی رات ساڑھے بارہ بجے تک جاری رہتا اس درس میں خواتین کا ہجوم ہوا کرتا تھا، درس کے بعد ۲ ½ ڈھائی گھنٹے استراحت فرماتے، ساڑھے تین بجے تہجد کے لئے کھڑے ہو جاتے جس کا سلسلہ اذانِ فجر تک رہتا بعد نماز فجر اشراق تک مسجد میں مشغولِ ذکر رہتے پھر ناشتہ سے فارغ ہو کر درسِ تفسیر کے لئے مسجد آجاتے، یہ ایک ایسا منظم اور مجاہدانہ کارنامہ ہے جس کا تحمل جوان سال مردوں کے لئے بھی مشکل تھا۔ حضرت شیخ التفسیر کی عمر اس وقت ۸۲ بیاسی سال سے متجاوز ہو چکی تھی میری آنکھوں نے شاید و باید ہی کسی اور عالم کو دیکھا ہو جو اس پیرانہ سالی میں ہمہ تن ہمہ وقت مشغول و مصروف رہا ہو دورانِ درس کی ایک چھوٹی بات کہتا چلوں، شیخ التفسیر درس کے وقت جس ہیئت سے تخت پر تشریف فرما ہوتے مسلسل چار گھنٹے اسی ہیئت پر قائم رہتے اس میں ذرا سی بھی تبدیلی نہیں فرماتے لیکن ہم جوان سال شاگردوں کا اس عرصے میں یہ حال ہوتا تھا کہ ہر آدھے پون گھنٹے بعد اپنی بیٹھک کو تبدیل کرنے پر مجبور ہو جاتے،

شیخ التفسیر کی اس نشست کو ہم لوگ "کراماتی نشست" کہا کرتے تھے۔

بات چھوٹی ہے لیکن عملاً بھاری اور ناقابلِ برداشت۔

بہر حال میں درسِ تفسیر کا (جس کا حقیقی نام درسِ تاویل تھا) تذکرہ کر رہا تھا، شیخ التفسیر نے قرآن حکیم کی بعض آیات کا خصوصی مفہوم مرتب کیا تھا جو یقیناً

حضرت موصوف ہی کی اختراع تھی البتہ میرے ایک سوال پر فرمایا تھا کہ یہ خصوصی درس علامہ عبیداللہ سندھیؒ کا نتیجۂ فکر ہے۔ علامہ سندھیؒ حضرت شیخ التفسیر کے خسر تھے اور شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحبؒ کے خصوصی تلامذہ میں شمار کئے جاتے تھے ۱۸۵۷ء کے بعد انگریزوں کے خلاف مشہور زمانہ "ریشمی رومال" سیاسی تحریک میں حضرت شیخ الہند کے خصوصی نمائندہ رہے ہیں اور چند سال شیخ الہند کے ساتھ جزیرہ مالٹا میں نظر بند بھی۔

بہرحال شیخ التفسیر کے درس میں ابتدائی آٹھ دس دن خاموشی سے سماعت کرتا رہا اور حضرت کی تفہیم وتقریر کو سمجھنے کی کوشش اور جب حضرت کا درس اپنے نقطۂ عروج پر آیا تو وقتاً فوقتاً درمیانِ درس اعتراضات شروع کردیئے شیخ التفسیر اس کا جواب دیتے جاتے۔ میں اس جواب پر پھر اعتراض کرتا، اب یہ سلسلہ روزمرّہ کا معمول بن گیا، دراصل یہ اعتراضات وہی تھے جس کو حکیم الامتؒ نے کتابی شکل دی تھی انہی اعتراضات کو میں بروقت دُہرادیا کرتا۔ حضرت شیخ التفسیر اس کا وہی جواب دیتے جس کو حکیم الامتؒ نے اپنے رسالہ میں نقل کیا ہے اور پھر اُس پر دوسرا اعتراض کیا ہے۔ میرے اس طرز پر ایک ماہ بھی گزرنے نہ پایا تھا کہ عام طلبہ نے بے چینی اور ناگواری محسوس کی لیکن کسی کی یہ ہمت نہ ہوتی تھی کہ مجھے ٹوکے یا منع کرے یہ اس لئے بھی کہ حضرت شیخ التفسیر میرے اعتراضات کا خندہ پیشانی سے جواب دیا کرتے تھے۔ اس طرح سلسلہ چلتا رہا، طلبہ کو تو کیا معلوم ہوتا شیخ التفسیر کو بھی اندازہ نہ ہوگا کہ میں حکیم الامتؒ کا نقال ہوں اور اُن کی کتاب اپنے ساتھ رکھتا ہوں،

بہرحال جب کبھی سوال وجواب طوالت اختیار کرلیتا تو اس موقعہ پر شیخ التفسیر اپنا آخری جواب دیکر خاموش کردیا کرتے کہ۔

جناب یہ تاویل قرآن ہے میں نے تفسیر کا دعویٰ کب کیا ہے
اور تاویل میں آپ کو اختیار ہے قبول کریں یا نہ کریں۔

یہ میرا اپنا اجتہاد و استنباط ہے۔

اس مقام پر بحث نہایت نازک مرحلہ پر آجاتی جب میں اس پر حکیم الامت رح کا آخری قاہرانہ جواب نقل کر دیتا، سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا
حضرت شیخ التفسیر کا وہ تاویلی ذخیرہ فی الحال تو موجود نہیں تاہم اپنی یادداشت کے تحت اس کے دو ایک نمونے آیندہ اوراق میں پیش کروں گا غرض میں یہ عرض کر رہا تھا کہ درس میں میرے سوال و جواب کا سلسلہ دراز ہونے لگا اور یہ روز روز کا معمول بن گیا، ہر روز کم از کم دو سوال تو کر ہی دیتا، اس غیر متوقع صورت حال نے شیخ التفسیر کو تو نہیں ساتھیوں کو پریشان کر دیا۔ دو ماہ کا عرصہ گزر گیا درس کا سلسلہ اسی طرح جاری رہا ایک دن درس گاہ سے حسب معمول اپنے کمرے آیا کھانے سے فراغت کے بعد استراحت کے لئے لیٹ گیا۔ میرے ہم سبق دوست بھی ساتھ تھے اچانک چار پانچ سرحدی طلبہ دراز قد، غضبناک حالت میں گھس آئے دو کے ہاتھوں میں لمبا چاقو تھا میری جانب بڑھے۔ میرے ہم سبق تو بے تحاشہ بھاگ نکلے، چاروں نے میرا گھیرا کر لیا۔ میرے ہوش و حواس اڑنے لگے۔ اُن میں سے ایک نے کہا۔

خبیث کا بچہ ہمارے اُستاذ کو پریشان کرنے آیا ؟۔

اُو خبیث توبہ کر استاذ کو ستائے گا نہیں ؟

درس میں خاموش بیٹھے گا ؟

سوالات نہیں کرے گا ؟

میں نے بلا توقف توبہ توبہ کہدیا اور پھر رُو پڑا۔

قاتلوں کو غالباً رحم آگیا تاکید کرتے ہوئے واپس ہوگئے کہ اُستاذ سے اگر ہماری شکایت کی تو پھر تیری خیر نہیں ؟

بہرحال ایک قیامت تھی جو گزر گئی، عصر کے وقت تک ہوش و حواس غائب تھے۔ عصر کی نماز کے لئے مسجد آیا، انجمن کے منتظم صاحب نے میری بدحواسی محسوس کی اور خیریت دریافت فرمائی لیکن میں پابند ہوچکا تھا کہ اُستاذ سے شکایت نہ کروں گا۔ موصوف کے اصرار پر واقعہ تو میں نے بیان کردیا لیکن طلبہ (قاتلوں) کی شناخت سے انکار کردیا جس کا انھیں شدید اصرار تھا۔ قاتلانہ حملہ (واللہ اعلم) غالباً دھمکی کے طور پر ہوگا۔ لیکن میری ساری دلچسپی، ذوق وشوق اور تکمیلِ درس کا جذبہ بالکل سرد پڑگیا، دِل اُداس اُداس رہنے لگا، روزانہ درس میں تو شرکت کرلیتا لیکن بے چون وچرا ہفتہ عشرہ بعد وطن واپسی کا فیصلہ کرلیا۔ حضرت شیخ التفسیر سے اجازت چاہی، حضرت موصوف کو اس ناگہانی صورتِ حال کی اطلاع ہوچکی تھی فرمایا۔

صاحبزادے چند دن اور صبر کرلو تکمیلِ درس کیلئے دو تین ہفتے باقی رہ گئے ہیں اس کے بعد تفسیر کی اعلیٰ سند ملے گی جس میں علامہ سندھیؒ کے علاوہ حضرت شیخ الہندؒ کی بھی سند شامل ہے۔

لیکن میں فیصلہ کرچکا تھا دوسرے دن اپنے مادرِ علمی مظاہر علوم (سہارنپور) پہنچا۔ اساتذہ کرام خاص طور پر مولانا سید ظہور الحسن صاحبؒ نے میری دلچسپ کہانی سنی اور بہت محظوظ ہوئے فرمایا۔

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا۔
جو چیرا تو ایک قطرۂ خوں نہ نکلا

اللہ اللہ سفر خیر سے گزرا، ہم اپنے وطن واپس لوٹے ،

آخر میں ہم حضرت شیخ التفسیر کی تاویل قرآن کے دو چار نمونے جیسا کہ ہم نے اُوپر ذکر کیا ہے نقل کر رہے ہیں تاکہ قارئین شیخ التفسیر کی تاویل قرآنی کا تعارف حاصل کریں۔ یہ بات ان سطور کے لکھتے وقت کم و بیش چالیس سال پہلے کی ہے ہمارے یہاں حضرت شیخ التفسیر کا وہ تاویلی ذخیرہ[1] موجود نہیں جس کو مِن وعَن نقل کر دیا جاتا تاہم اپنی یادداشت کے تحت لکھا جا رہا ہے ممکن ہے الفاظ میں کمی بیشی ہو جائے، اس پر ہم ناظرینِ کرام سے معذرت خواہ ہیں۔

تاویلِ قرآن کے چند نمونے

(۱) وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ (بقرہ آیت ۲۳۲)

ترجمہ و مطلب :- جب شوہر نے اپنی بیوی کو طلاق دیدیا تو عورت کو اختیار ہے کہ عدّت گزرنے کے بعد وہ کسی سے بھی اپنا نکاح کرلے، عورت اپنے نکاح کرنے میں خود مختار ہوگی۔ پہلے شوہر کو یا خاندان والوں کو روکنے یا منع کرنے کا حق نہیں ہے۔ اسی طرح اگر عورت اپنے پہلے شوہر ہی سے دوبارہ نکاح کرنا چاہے تو کرسکتی ہے کسی کو روکنے کا حق نہیں ہوگا۔

(یہ تو قرآنی مفہوم اور تفسیر تھی)

اب شیخ التفسیر مولانا احمد علی صاحب اس آیت کی تاویل اس طرح بیان کرتے ہیں۔

جس طرح طلاق دینے کے بعد شوہر کو یہ حق نہیں ہے کہ اپنی مطلقہ بیوی کو دوسرے مرد سے نکاح کرنے سے باز رکھے اسی طرح اسلامی ریاست کے

---

[1] شیخ التفسیر مولانا احمد علی صاحب لاہوری رح کی تاویلات کا یہ ذخیرہ ان کے مترجم قرآن عزیز محشّی مطبوعہ انجمن خدام الدین شیرانوالہ گیٹ لاہور ملاحظہ فرمائیں۔

مستعفی حاکم کیلئے جائز نہیں کہ وہ نئے حاکم کے انتخاب میں روڑے اٹکائے۔
مطلب یہ کہ جب پہلا حاکم حکومت سے علیحدہ ہو گیا تو اس کو اپنی بقیہ زندگی
خاموش گزار دینی چاہیئے اور سیاست میں حصّہ نہ لینا چاہیئے، قوم جس کو چاہے
اپنا حاکم تجویز کرے یا کوئی دوسرا حاکم بن جائے۔

(۲) اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ۔
الآیۃ (بقرہ آیت ۲۲۹)

ترجمہ ومطلب:۔ بیوی کو ایک یا دو طلاق دینے کے بعد اندرونِ عدّت شوہر کو پھر رجوع کر لینے کا اختیار ہے لیکن اس کے بعد اگر تیسری طلاق بھی دیدی تو اب رجوع کرنے کا اختیار نہیں رہے گا۔ ازدواجی سلسلہ ختم ہو گیا۔

شیخ التفسیر اس آیت کی تاویل اس طرح بیان فرماتے ہیں:۔
رعایا سے تعلقات کی کشیدگی کے باعث اگر حاکم تین دفعہ مستعفی ہو تو پھر اُسے دوبارہ منتخب کرنا درست نہ ہوگا۔ ورنہ یہ عظیم عہدہ بازیچۂ اطفال بن جائے گا۔ گویا اس کو ہمیشہ کیلئے اس نعمت سے محروم رہنا ہوگا۔ جیساکہ تین طلاق کے بعد شوہر اپنی بیوی سے محروم ہو جاتا ہے۔

(۳) وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ
الآیۃ (بقرہ آیت ۲۲۲)

ترجمہ ومطلب:۔ حالتِ حیض کے بارے میں صحابہ کرامؓ نے دریافت کیا تھا کہ ایسی صورت میں بیویوں کے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہیئے؟ انھیں جواب دیا گیا کہ حالتِ حیض میں عورتوں سے علیحدہ رہنا چاہیئے اور قربت سے پرہیز کرنا چاہیئے اور جب وہ پاک ہو جائیں تو اُن سے قربت کی جاسکتی ہے۔

شیخ التفسیر اس آیت کی تاویل اس طرح فرماتے ہیں:۔

اگرچہ شرعی طور پر شوہر کو اپنی بیوی پر ہر طرح کا اقتدار و تسلط حاصل ہے اور وہ بیوی کے ہر معاملہ میں دخل انداز ہو سکتا ہے لیکن بعض حالتیں ایسی بھی ہیں کہ شریعت نے عورت کو ناپاک قرار دیکر اس سے دُور رہنے کا حکم دیا ہے۔ (یعنی حالتِ حیض و نفاس میں)

بالکل اسی طرح حاکم کو اپنی رعایا پر پُورا پُورا اقتدار حاصل ہے۔ لیکن پھر بھی اس کی حکومت کے مشرک رعایا کی بعض ایسی ناپاک حالتیں ہیں جن میں حاکم کو مداخلت کرنے کا حق نہیں ہو گا۔

مثال کے طور پر جس وقت مشرکین اپنے مندرون اور گرجا گھروں میں بت پرستی کر رہے ہوں تو ایسے وقت حاکم کو دخل اندازی کرنے کا حق نہیں ہو گا۔

(۴) لَاجُنَاحَ عَلَیْکُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَالَمْ تَمَسُّوْھُنَّ - اَلْاٰیۃ (بقرہ آیت ۲۳۶، ۲۳۷)

ترجمہ و مطلب:۔ اگر کسی نے نکاح کرنے کے بعد ودَاعی یا رُخصتی سے پہلے اپنی بیوی کو طلاق دیدیا تو طلاق واقع ہو جائے گی، بیوی کو ضروری نان و نفقہ دیکر عزّت و اکرام کے ساتھ رخصت کر دینا چاہئے۔ اس بارے میں میاں بیوی عفو و درگزر اور فراخدلی سے کام لیں اور اپنی اپنی حیثیت کا مظاہرہ کریں۔

شیخ التفسیر اس آیت کی اس طرح تاویل بیان کرتے ہیں:۔

جس طرح نکاح کے بعد دداعی سے پہلے (خلوت سے پہلے) بیوی کو طلاق دینا جائز ہے اس طرح حاکم منتخب ہو جانے کے بعد کام شروع کرنے سے پہلے (یعنی امورِ سلطنت کی ادائیگی سے پہلے) حاکم کو استعفاء دینا جائز ہو گا۔

ایسے وقت حاکم اور رعایا دونوں ایک دوسرے کا پاس و لحاظ رکھیں، مثلاً جاتے وقت حاکم نافذ شدہ احکامات کو ختم کرنے کی کوشش نہ کرے، اسی طرح رعایا حاکم کو رخصت کرتے وقت نہایت عزت و احترام اور خلوص کا مظاہرہ کریں۔

۵ وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ الآیۃ
(بقرہ آیت ۲۳۳)

ترجمہ و مطلب :- میاں بیوی اپنے نوزائیدہ بچے کو دودھ پلائی کیلئے کسی عورت کی خدمات حاصل کرنا چاہیں تو انھیں اس کی اجازت ہے۔ البتہ دستور کے موافق دودھ پلائی کا پورا پورا حق دینا چاہیئے۔

شیخ التفسیر اس آیت کی اس طرح تاویل بیان کرتے ہیں۔
جس طرح دودھ پلائی کیلئے کسی عورت کی خدمات حاصل کی جاسکتی ہیں۔ اسی طرح دوسرے ممالک سے اسلامی سلطنت کیلئے ماہرینِ فن کی خدمات لی جاسکتی ہیں اور انھیں اس کا معقول معاوضہ بھی دیا جانا چاہیئے۔

۶ وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ (الآیۃ) (بقرۃ آیت ۱۲۹)

ترجمہ و مطلب :-
ایک سے زائد بیویوں میں ممکن ہے کہ شوہر کو کسی ایک بیوی کی جانب خصوصی محبت و اُنس ہو لیکن شوہر کو اپنی تمام بیویوں میں عدل و انصاف کا تقاضہ پورا کرنا ضروری ہے ایسے طور پر کہ کسی بیوی کا حق فوت نہ ہونے پائے اور ظاہری برتاؤ میں بھی فرق نہ آئے۔

شیخ التفسیر اس آیت کی یہ تاویل فرماتے ہیں :-
جس طرح دو چار بیویوں والے شوہر کو عدل و انصاف میں مساوات کرنی ضروری

ہے اسی طرح مسلمان حاکم کے ماتحت مختلف قومیں دارالسلام میں آباد ہوں تو حاکم کو اگرچہ طبعی طور پر مسلمانوں سے زیادہ تعلق قلبی اور اُنس ہوگا لیکن اُس پر ضروری ہوگا کہ دوسری قوموں کو بھی قانون سے پُورا پورا فائدہ اٹھانے کا موقعہ دے، تاکہ غیر مُسلم رعایا کے قلوب میں یہ خیال پیدا نہ ہو کہ اِن پر ظلم و تشدّد ہو رہا ہے۔

مَلحُوظہ :-

شیخ التفسیر مولانا احمد علی صاحب لاہوری کی تاویلاتِ قرآنی کے یہ چند نمونے بلا تبصرہ نقل کر دیئے گئے ہیں۔ البتہ کسی صاحب کو نقد و تبصرہ پڑھنے کی خواہش ہو تو براہِ کرم حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کا رسالہ "اَلتَّقصِیرُ فِی التَّفسِیرِ" مطالعہ فرمائیں۔

مولانا مودُودی صاحبؒ سے مُلاقات

بات اُنہی ایام ۱۹۵۸ء کی ہے جب ہم درسِ تفسیر میں شرکت کیلئے شیخ التفسیر مولانا احمد علی صاحبؒ کے یہاں لاہور (پاکستان) پہنچے تھے شہر لاہور جماعت اسلامی کا مرکزی مقام تھا، بانیٔ جماعت سیّد ابوالاعلیٰ صاحب مودودی کی تحریک اُن دنوں اپنے نقطۂ عُروج پر تھی۔

ہندوپاک کے بیشمار علماء کو جہاں جماعت اور امیر جماعت سے اختلاف تھا وہاں اس وقت کی موجودہ حکومت جس کی صدارت جنرل ایوّب خان کر رہے تھے سیاسی سطح پر بھی اختلاف تھا۔ جماعت پر کڑی نگرانی تھی اور اس کی نقل و حرکت پر بھی پابندی۔ اس طرح جماعت اسلامی دینی و سیاسی طور پر دونوں طبقوں میں مشتبہ اور قابلِ نقد و تبصرہ ہو چکی تھی، پاکستان میں شیخ التفسیر مولانا احمد علی صاحب ان علماء میں سرِفہرست تھے جنھوں نے مودودی صاحب سے سخت اختلاف کیا ہے۔

ہیں اپنے دورِ تعلیمی ہیں اس نزاع سے واقف ضرور تھا لیکن براہِ راست اس جماعت کی تعلیمات و نظریات سے واقف نہ تھا کبھی کبھار مودودی صاحب کی تردید ہیں کوئی رسالہ یا مضمون مل جاتا تو پڑھ لیا کرتا تھا۔ موصوف میرے وطن حیدرآباد دکن ضلع اورنگ آباد کے متوطن ہیں۔ ان کی تحریک کا آغاز بھی اسی شہر سے تعلق رکھتا ہے۔ وطن ہیں تو موصوف سے کبھی ملاقات نہ ہوسکی کیونکہ اُن دنوں میرا دینی شعور بالکل ابتدائی تھا جب میں درسِ تفسیر کیلئے لاہور آیا تو قلب میں یہ تحریک پیدا ہوئی کہ مودودی صاحب سے ملاقات کرنی چاہیئے

لیکن میں جس ماحول میں تھا وہاں یہ بات ممکن نہ تھی یہاں کا چھوٹا بڑا جماعتِ اسلامی کا مخالف تھا۔ لیکن میں موقع کی تلاش میں رہا ایک دن معلوم ہوا کہ شہر کے فلاں ہال میں سیّد مودودی صاحب کا خطاب ہونے والا ہے، عصر کے بعد کا وقت تھا میں کچھ تاخیر سے پہنچا پورا ہال بھرا ہوا تھا جیسا کہ میں نے کہا ہے یہ بات ۱۹۵۸ء کی ہے۔ مودودی صاحب کو صحت مند، تندومند، پھرتیلے انداز میں سامنے سے گزرتے دیکھا یہ پہلی ملاقات نہیں پہلی نظر تھی موصوف تیزی سے اسٹیج پر پہنچے اور درسِ قرآن کا آغاز کیا۔ تقریر کا موضوع تو یاد نہیں کیا تھا؟ البتہ سیّدنا موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ تھا اور یہ آیت آج بھی ذہن نشین ہے۔

وَنَزَعَ يَدَهُ فَإِذَا هِيَ بَيْضَاءُ لِلنَّاظِرِينَ - الآیۃ (الشعراء آیت ۳۳)

(پھر اس نے اپنا ہاتھ (بغل سے) کھینچا۔ وہ سب دیکھنے والوں کے سامنے چمک رہا تھا)

اس آیت کی تفسیر میں معجزات کی عمدہ تشریح کی اور ثابت کیا کہ معجزات

مستقل حقیقت ہوا کرتے ہیں محض خواب وخیال یا فریبِ نظر نہیں جیسا کہ جادوگروں کے کرتب ہوا کرتے ہیں۔ مودودی صاحب کے خطاب کی یہ عقلی واستدلالی قوت تھی جو مجمع کو زیر بروز بر کر رہی تھی سارا مجمع ہمہ تن گوش سماعت کر رہا تھا۔ آیاتِ الٰہی کا بیان جس کا دوسرا نام معجزات ہے اور جو اللہ عظیم کی طاقت وقدرت کا عظیم نمونہ ہوا کرتا ہے سب کے دل ودماغ کو متأثر کر رہا تھا جیسے جیسے معجزات کی حقیقت سامنے آنے لگی قلوب پر ایک باعظمت ہیبت طاری ہونے لگی۔ عظمتِ الٰہی سے دل لرزنے لگے ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ کوئی بڑا زلزلہ ٹوٹ پڑنے والا ہے کہ عین اسی وقت قبلہ نے اپنا رُوئے سخن قدیم مفسّرین کی طرف پھیر دیا کہنے لگے۔ یدِ موسیٰ کا یہ معجزہ جو فرعونی دربار کو منوّر کر رہا تھا اور جس سے انسانی آنکھیں خیرہ ہو رہی تھیں۔ یہاں ہمارے بعض قدیم مفسّرین کی سادگی اور بھولا پن ملاحظہ فرمائیے انھوں نے یہودی روایات سے متأثر ہو کر بَیْضَاءَ کے معنیٰ سفیدی کے سمجھے ہیں اور اس کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ بغل سے نکالتے ہی اچھا خاصا ہاتھ برص کے مریض کی طرح سفید ہو گیا اور پھر جب دوبارہ اُسے بغل میں رکھا تو وہ اپنی اصلی حالت پر آ گیا۔

اس وقت پورے باوقار مجمع سے ایک زبردست قہقہہ ٹوٹ پڑا۔
(غالبًا یہ وہی زلزلہ تھا جس کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے)

دو ایک منٹ تو یہی استہزائی کیفیت رہی پھر تقریر کا سلسلہ آگے بڑھا، مودودی صاحب کے اس تمسخر یہ انداز سے میرے دل ودماغ مجروح ہو گئے۔ میں گہری سوچ میں ڈوب گیا کہ آخر وہ بھولے بھالے قدیم نادان مفسّرین کون ہیں جنھوں نے یدِ موسیٰ کے الٰہی معجزے کو برص کی بیماری سمجھا اور

اس کی یہی تفسیر بیان کردی پھر ان کے لائق شاگردوں نے نقل در نقل کرتے ہمارے ہاں کی تفسیروں میں رائج کر دیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ط بات آئی گئی جلسہ برخاست ہوا۔ لوگوں کے چہروں پر خوشی و مسرت دمک رہی تھی۔ لیکن میں ابھی تک اپنی سوچ و فکر سے آزاد نہ ہو سکا اسی حالت میں اپنے ٹھکانے آیا۔ چند گھنٹے تو یہی حالت رہی پھر میرے زاویۂ فکر نے ایک نئی کروٹ لی شدت سے احساس ہوا کہ اب تو موصوف سے بہرصورت ملاقات کرنی چاہیئے، موقع کی تلاش میں رہا آخر وہ موقع مل ہی گیا۔ حضرت شیخ التفسیر ایک دن کیلئے کہیں باہر چلے گئے تھے۔ میں نے وقت کو غنیمت جانا۔ پوچھتے پاچھتے اچھرہ (مرکز جماعت اسلامی) پہنچا ظہر کا وقت تھا قریب ہی مسجد تھی داخل ہوا خیال آیا کہ مولانا نماز کیلئے مسجد ہی تشریف لائیں گے۔ لیکن میرا اندازہ غلط ثابت ہوا نماز کے بعد مرکز پر آیا اور یہی مولانا کی قیام گاہ بھی تھی ایک جواں سال نے وجہ آمد دریافت کی میں نے اپنا مختصر تعارف کروایا اور کہا کہ مولانا مودودی صاحب سے صرف ملاقات کی خواہش ہے۔ میری اختصار پسندی سے غالباً وہ متأثر ہوئے سیدھے مولانا مودودی صاحب کے یہاں گئے اور یہ پیام لائے کہ مولانا اس وقت تصنیف و تالیف میں مشغول ہیں صرف مصافحہ ہی کرنا ہو تو تشریف لائیے ورنہ عصر کے بعد تفصیلی ملاقات ہوسکتی ہے؟

میں نے تفصیلی ملاقات کو ترجیح دی۔ اس پر عصر تک میرے استراحت کا انتظام کر دیا گیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ جواں سال میاں طفیل محمد صاحب تھے جو بعد میں امیر جماعت نامزد ہوئے۔ بہرحال عصر تک میں استراحت خانے میں رہا۔ عصر کی اذان ہوئی میں تو مسجد آ گیا۔ نماز سے فراغت کے بعد واپس

ہوا تو دیکھا کہ صحن کے سبزہ زار پر کرسیاں جمادی گئی ہیں باہر سے لوگوں کی آمد شروع ہوئی خاصا مجمع ہو گیا۔ مولانا کا انتظار ہو رہا تھا میری متلاشی آنکھیں ہر سُو دوڑ رہی تھیں، مولانا اپنے حجرے سے نکلتے نظر آئے۔ سفید پاکیزہ لباس، باریک دو پلّی ٹوپی، کُرتا قدرے اُونچا، ڈھیلا ڈھالا پاجامہ، سَر پر دراز بال، (زُلف) ڈاڑھی حدِّ جواز میں دہن مبارک میں سگریٹ۔

شوقِ زیارت تو بہر حال تھا ہی ہیئتِ کذائی پر تعجب ضرور ہوا۔ مولانا تشریف لائے سب نے کھڑے ہو کر استقبال کیا پھر اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے۔ میاں طفیل محمّد صاحب نے میرا تعارف کروایا۔ مولانا نے بڑی شفقت و عنایت سے مصافحہ کیا اور اپنے قریب جگہ دی، خیر خیریت کے بعد میرے تعلیمی حالات پُوچھے پھر دیوبند، سہارن پور کے نصاب تعلیم کی تفصیل دریافت کی، میں نے ہر علم و فن کی کتابیں شمار کروائیں، علم نحو، علم صرف، علم ادب، علم منطق، علم فلسفہ، علم فقہ، علم اصول فقہ، علم تفسیر، علم اصول تفسیر، علم حدیث، علم اصولِ حدیث وغیرہ ہمارے نصاب تعلیم میں علم منطق و فلسفہ اور علم ادب کی کتابیں بہ نسبت دیگر علوم کچھ زیادہ ہیں۔ البتہ علم تفسیر میں بنیادی طور پر صرف ایک کتاب تفسیرِ جلالین پڑھائی جاتی ہے۔

مودُودی صاحب نے جب یہ تفصیل سُنی تو طنز بہ انداز میں حاضرین سے کہا دیکھئے یہ ہمارے مدارسِ اسلامی کا نصابِ تعلیم ہے جس میں ہر علم پر چار چار، چھ چھ کتابیں پڑھائی جاتی ہیں۔ لیکن تفسیرِ قرآن پر صرف ایک ہی کتاب جلالین پڑھائی جاتی ہے جس کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ اِس کتاب کے تفسیری کلمات قرآنی کلمات کے مساوی ہیں (یعنی مختصر ترین تفسیر) اس تبصرے پر ایک ہلکا سا قہقہہ ہوا، میں کچھ جھینپ سا گیا پھر فوری

بول پڑا ، مولانا حقیقت تو یہی ہے کہ تفسیر قرآن پر صرف ایک ہی کتاب پڑھائی جاتی ہے لیکن اس کی تشریح میں قدیم تفسیروں کی ساری تحقیقات آجاتی ہیں اور یہ کتاب ہر روز کا مل دو گھنٹے بلا ناغہ سال بھر تک پڑھائی جاتی ہے ہم نے قدیم کتب تفاسیر کے نام اور اُن کا تعارف اسی درس میں پایا ہے۔

تفسیر کبیر، تفسیر طبری، تفسیر کشّاف، تفسیر قرطبی، تفسیر ابن کثیر، تفسیر رُوح المعانی وغیرہ اسپر مودودی صاحب خاموش ہو گئے۔

پھر رُوئے سخن دوسری جانب چلا۔ حیدرآباد دکن کے بعض احباب کے بارے میں دریافت کیا کہ فلاں صاحب کیسے ہیں ؟ فلاں صاحب کہاں ہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔

میں نے ہر ایک کے بارے میں اپنی لاعلمی ظاہر کی ویسے بھی میں جماعت اسلامی سے وابستہ نہ تھا۔ البتہ محمد یونس صاحب کے بارے میں واقف تھا۔ خیریت کی اطلاع دی، مودُودی صاحب نے کہا یہ صاحب ہمارے قریبی رفیق تھے اب عرصۂ دراز سے ان کی کوئی خبر نہیں۔

اسی مجلس میں ایک صاحب نے موجودہ حکومت کے صدر جنرل ایوب خاں کا تذکرہ چھیڑ دیا۔ روئے سخن سیاست کی طرف چل پڑا، بہت دیر تک اس کا تذکرہ رہا۔ اخیر تبصرہ یہ تھا کہ جنرل صاحب ذاتی طور پر اچھے انسان ہیں اسلام اور مسلمانوں سے انھیں محبت ہے لیکن ان کے اطراف کا حاشیہ بے دین خدا بیزار انسانوں کا ہے۔ جنرل صاحب انہی لوگوں میں گھرے ہوئے ہیں۔ اس منزل پر میں نے چھوٹی سی مداخلت کر دی اگر چہ یہ میرا میدان نہ تھا لیکن میں نے ہمت کر ہی ڈالی، عرض کیا۔ مولانا آپ کی اور آپ کی جماعت کی جدّ و جہد

جہاں عام مسلمانوں کی طرف مصروف عمل ہے تاکہ اقامتِ دین قائم ہوجائے اس طویل وعریض جدوجہد کو اگر جنرل صاحب اور ان رفقاء کی جانب کردیجائے تو اقامتِ دین کا مقصد بہت آسان ہوجائے گا۔ کیا آپ نے ایسی کوئی کوشش کی ہے؟ اس پر مولانا کے دہن مبارک سے بے ساختہ قہقہہ نکلا اور مجمع میں بھی ایک ہلچل سی پیدا ہوگئی کہنے لگے ساری مشکل تو یہی ہے کہ کسی کو جنرل صاحب کے قریب ہونے کا موقعہ ہی نہیں دیا جاتا بات آئی گئی اور ختم ہوگئی۔

پھر میں نے بغیر کسی تاخیر مودودی صاحب سے اپنا یہ سوال کرہی دیا۔ مولینا! دو تین سوالات دریافت کرنے ہیں اگرچہ ان کے جوابات آپ کے رسائل و مسائل میں موجود ہیں۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ براہِ راست آپ سے ان کا جواب سنوں اجازت ہو تو عرض کروں؟ نہایت فراخدلی سے کہا فرمایئے۔

سوال نمبر۱:۔ ہندوپاک میں کئی ایک دینی جماعتیں کام کررہی ہیں اُن کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

جواب:۔ ظاہر ہے سب جماعتیں اسلام کے نام پر اسلام ہی کی خدمت کررہی ہیں۔ لیکن جو دین سارے ادیان پر غلبہ کیلئے آیا ہے اُس جانب کم ہی توجہ دی جارہی ہے۔

جماعتِ اسلامی کی تاسیس اسی بنیادی نقطہ پر رکھی گئی ہے۔ اقامتِ دین ہی اسلام کا مقصد و منشار ہے۔

سوال نمبر۲:۔ مذاہبِ اربعہ (حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی) میں تقلید شخصی کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ اور جناب کس امام کے مقلد ہیں؟

جواب :- تقلید سے تو کسی کو بھی مفر نہیں لیکن موجودہ مروّجہ تقلید کا میں قائل نہیں ہوں۔ جو بات کتابُ اللہ اور سنّت رسول اللہ کے قریب پاتا ہوں اس کو اختیار کرتا ہوں اور یہی بات دوسروں کے لئے بھی پسند کرتا ہوں۔

سُوال ۳ :- میں نے اجازت لے کر پھر سوال کیا۔ مولانا آپ تو اہلِ علم ہیں۔ کتاب و سنّت کا آپ کو علم ہے لیکن عام مسلمانوں کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے وہ کس کی پیروی کریں ؟

جواب :- اپنے اُن علماء کی پیروی کریں جن پر انھیں اعتماد ہے۔

سُوال ۴ :- آپ کے بنیادی نظریات میں ایک نظریہ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ اللہ و رسول کے علاوہ کوئی شخصیت بھی تنقید سے بالاتر نہیں۔ کیا اصحابِ رسول بھی تنقید کا نشانہ بن سکتے ہیں خاص طور پر خلفاء راشدین ؟

جواب :- بات وہی ہے جو آپ نے نقل کی ہے، معصومیّت تو صرف اللہ و رسول ہی کی حیثیت ہے اس میں کسی کو کیا اختلاف ہوسکتا ہے۔ صحابہ کرام کے اختلافات مشاجرات، لغزشات تو ایک مسلّمہ حقیقت ہیں ایسی صورت میں نقد و تبصرہ ہی وہ واحد ذریعہ ہے جو حق و باطل میں امتیاز پیدا کرتا ہے۔ بات نہایت واضح اور غیر نزاعی ہے، لیکن میرے اس نظریئے پر علماء دیوبند کا سارا طبقہ ٹوٹ پڑا اور اس مقدّس جہاد میں حصّہ لینے کے لئے ہر عالم نے اپنی سعادت مندی سمجھی ہے۔

یہ عجیب بات ہے کہ جب میں یہ نظریہ بیان کرتا ہوں تو مجھ پر بے دینی، گستاخی، بلکہ کفر کے فتوے دیئے جاتے ہیں لیکن یہی نظریہ جب امام شافعیؒ اور اُن جیسے دوسرے ائمہ بیان کرتے ہیں تو انھیں قابلِ معافی سمجھا جاتا ہے اور اُن پر کوئی فتویٰ لاگو نہیں ہوتا ؟

اس موقعہ پر مودودی صاحب نے میری حیرت اور استعجاب کو محسوس کیا اور ایک صاحب سے کہا ذرا کتاب "نورالانوار" لایئے ؟ جب کتاب لائی گئی تو کہا مولوی صاحب آپ نے یہ کتاب ضرور پڑھی ہوگی ؟

میں نے کہا ہاں یہ تو ہمارے نصابِ تعلیم کی بنیادی کتاب ہے۔

اس میں مبحث بافعال النبی صلی اللہ علیہ وسلم صفحہ ۲۲۱ نکالکر کہا دیکھئے تنقید سے بالاتر والی بات آپ کے ائمہ کرام کہہ رہے ہیں اور جب میں کہتا ہوں تو کیا جرم کیا؟ پھر یہ علمار کیوں شور مچا رہے ہیں ؟

چند سکنڈ کیلئے میں لاجواب سا ہو گیا اور میرا ذہن اس جانب منتقل ہوا کہ عجیب بات ہے دورانِ تعلیم ہمیں یہ بات کبھی بھی محسوس نہ ہوئی اور نہ اس پر ہمارے اساتذہ نے تنبیہ کی ؟ بات اپنی جگہ ہے۔ لیکن اللہ نے رہنمائی کی بحث کی اس نازک موڑ سے اچانک صرفِ نظر کیا جہاں تک مجھے یاد ہے کہنے لگا۔

مولٰنا! اس نظریئے کے بارے میں ہم نے امام شافعیؒ کو کب بخشا ہے جو آپ کو بخشیں گے ؟ پھر کیا تھا مجمع ہنس پڑا، کہنے لگے طالب علم اپنی ہار کبھی نہیں مانتا۔

میں خاموش ہو گیا اس کے بعد روئے سخن مقامی علمار کی جانب چل پڑا۔ حقیقت یہی ہے کہ یہ میرا زمانۂ طالب علمی تھا۔ ایسی عمر میں عموماً برجستہ جواب نکل جاتا ہے ہمارے نصابِ تعلیم میں علمِ منطق و فلسفہ کا جو خصوصی اہتمام ہے غالباً اس کی یہی حکمت ہوگی۔

مولانا مودودی میرے اس جواب کا وزن محسوس کریں یا نہ کریں بہرحال حق بات تھی جو بے ساختہ زبان سے نکل پڑی۔

میرے اساتذۂ کرام نے جب یہ کہانی سنی تو بہت محظوظ ہوئے اور دعائیں دیں علم فقہ کے میرے خصوصی اُستاذ مفتی مظفر حسین صاحبؒ (ناظم مظاہر علوم سہارنپور) نے جماعتِ اسلامی کے نظریۂ تنقید پر ایک عالمانہ و پُر معنی تبصرہ فرمایا جو نہ صرف اہلِ علم کیلئے راہ نما اصول کی حیثیت رکھتا ہے بلکہ ہر عقلِ سلیم کیلئے نورِ ہدایت ہے، فرمایا! تنقید و تبصرہ علومِ اسلامی میں زمانۂ قدیم سے چلا آرہا ہے خاص طور پر محدّثین کرام میں یہ علم مستقل علم و فن کی حیثیت اختیار کرلیا ہے۔ اس کے ذریعہ حق و باطل صحیح و غیر صحیح، ضعف و قوت کو ایک دوسرے سے ممتاز کیا جاتا ہے۔ ٹھیک اس کے بالمقابل تحقیر و تذلیل ہے۔

تحقیر اور تنقید اگرچہ دو مستقل حقیقت ہیں لیکن دونوں صورۃً ہم شکل اور ایک جیسے ہیں دونوں کے حدود بھی ایک دوسرے کے بالکل قریب ہیں، اگر تنقید کرنے والا اِن حدود کا پاس و لحاظ نہ رکھے تو وہی تنقید تحقیر کے حُدود میں آجاتی ہے۔ چونکہ اہلِ علم اِن حدود کا پاس و لحاظ رکھتے ہیں اس لئے اُن کی تنقید میں ادب و شائستگی تہذیب و شرافت نمایاں رہتی ہے۔ انتہیٰ۔

بہر حال تنقید والی بات ختم ہوئی جیسا کہ میں نے کہا ہے مودُودی صاحب کا روئے سخن مقامی علماء کی جانب چل پڑا تھا۔ اِن دنوں جامع مسجد نیلا گنبد (لاہور) میں شیخ التفسیر مولانا محمّد ادریس صاحب کاندھلوی کا خطبۂ جمعہ سے پہلے وعظ ہوا کرتا تھا شہر میں اس کی غیر معمولی شہرت تھی۔ مولانا کے وعظ کی یہ خصوصیت تھی کہ ہر جملہ ایک مستقل دلیل کی حیثیت رکھتا تھا۔ وعظ میں دلائل و براہین کی اتنی کثرت ہوتی تھی کہ سننے والے کو تسلیم کئے بغیر چارہ نہ ہوتا، ڈاکٹرس، انجینرس، وکلاء، اور حکومت کے سر برآوردہ حضرات کثیر تعداد میں جمع ہوجاتے تھے۔ میری آنکھوں نے پہلی مرتبہ یہ منظر دیکھا ہے دُور دُور تک

موٹر گاڑیوں کی قطاریں لگ جاتی تھیں۔

الغرض مودودی صاحب کی اس مجلس میں ایک صاحب نے مولانا محمد ادریس صاحب کا تذکرہ چھیڑ دیا کہنے لگے گزشتہ جمعہ کو مولانا محمد ادریس صاحب نے اپنے وعظ میں یہ فتویٰ دے ہی دیا کہ جو لوگ تراویح کی بیس رکعت نہیں پڑھتے وہ لوگ شفاعتِ رسول ﷺ سے محروم ہوں گے۔

اُس پر مودُودی صاحب نے ایک چبھتا ہوا جملہ کس دیا سب لوگ ہنس پڑے مولانا محمد ادریس صاحب کی شخصیت سے مودُودی صاحب ناواقف یا کم واقف نہ تھے۔ مولانا کی شخصیت اس وقت ہندوپاک کے مشاہیر علماء میں ممتاز اور مسلّم تھی علومِ قرآنیہ میں جو تبحرِ علمی حاصل تھا وہ بہت کم علماء کو نصیب رہا ہے مولانا قدیم آسمانی کتابیں تورات، زبور، انجیل کے بھی عالم تھے علمِ حدیث میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز تھے علاوہ ازیں کئی ایک علمی و تحقیقی کتابوں کے مصنف بھی، تقسیمِ ہند کے بعد لاہور منتقل ہو گئے اور وہاں استاذ الاساتذہ کی حیثیت سے جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد میں درس و تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔

بہر حال شفاعتِ رسول ﷺ والی بات پر مودُودی صاحب کے چبھتے ہوئے جملے سے میں متأثر ہوا اور مداخلت کرتے ہوئے کہہ دیا۔

مولانا! شفاعتِ رسول والی بات ایسی نہیں ہے جو آپ سے نقل کی جا رہی ہے میں خود اس وعظ میں شریک تھا۔ مولانا محمد ادریس صاحب نے ایسی بات قطعاً نہیں کہی ہے وہ یہ بیان کر رہے تھے کہ ایمان باللہ کے بعد اتباعِ رسول ہی نجات و شفاعت کا ذریعہ ہیں اسی ضمن میں تراویح کا بھی ذکر آگیا تھا وبس۔

میری اس وضاحت پر مودودی صاحب نے فرمایا دیکھئے یہ صاحب اس وعظ میں شریک تھے اور بات ختم ہو گئی۔ مغرب کا وقت ہو گیا اسی سبزہ زار پر نمازِ مغرب ادا کی گئی اور میں سلام و مصافحہ کر کے رخصت ہو گیا۔

مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ

شیخ التفسیر مولانا محمد ادریس صاحبؒ (جن کا ذکر اوپر آچکا ہے) اکابر علماء میں شمار ہوتے ہیں، تقسیمِ ہند سے پہلے ہند کی بین الاقوامی درس گاہ دارالعلوم (دیوبند) کے شیخ التفسیر رہے ہیں، موصوف شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحبؒ اور محدث کبیر مولانا انور شاہ کشمیری کے خصوصی شاگردوں میں سے تھے، کمالِ علم و فضل سے سرفراز تھے موصوف کے علمی کارناموں کا تذکرہ مظاہر علوم (سہارنپور) میں سنا کرتا تھا۔ ملاقات کی دلی خواہش تھی۔ سفر لاہور میں یہ خواہش بھی پوری ہو گئی ایک دن موصوف کے گھر گیا مختصر تعارف کے بعد مولانا کے بہت قریب ہو گیا۔ مولانا کے ساتھ پہلی ہی مجلس میں کامل تین گھنٹے گزارے ان دنوں ہندوستان میں مُسلم کُش فسادات کا دور دورہ تھا ہر طرف مسلمانوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح کیا جا رہا تھا ہزاروں خاندان تباہ و برباد ہو رہے تھے مسلمانوں کے قتلِ عام سے پاکستان کے مسلمان نہایت بے چین و بے قرار تھے۔ مولانا محمد ادریس صاحب اُن حضرات میں شامل تھے جو مسلمانوں کے اس اندھے قتل پر خون کے آنسو بہا رہے تھے۔ ملاقات کی اس ساری مجلس میں یہی تذکرہ چلتا رہا مولانا نہایت جذباتی انداز میں اس قتلِ عام کا ذمہ دار حکومتِ ہند کو قرار دیتے رہے۔ اور مسلمان فاتحین کے سابقہ تذکرے کرتے رہے کہ انھوں نے مفتوحہ ممالک میں اپنی غیر مسلم رعایا کے ساتھ کیسا کیسا حُسنِ سُلوک کیا ہے، مسلمان فاتحین کا یہ عجیب و غریب تاریخی تذکرہ تھا اور ایک نادر عنوان بھی جو عام طور پر سُنا نہ گیا۔

میں تو خالی ذہنی میں مولانا کی ملاقات کے لئے آیا تھا اے کاش کہ اس تذکرے کو محفوظ کر لیتا تو ایک بے مثال تاریخی دستاویز بن جاتی جو آنے والے جابر و ظالم حکمرانوں کیلئے درسِ عبرت ثابت ہوتی۔

مولانا نے اُس موقعہ پر مسلسل تین گھنٹوں تک اپنی تقریر جاری رکھی جوش و بیقراری کا یہ عالم تھا کہ بیٹھے بیٹھے کھڑے ہو جاتے اور کبھی بے دم ہو کر لیٹ جاتے مولانا کا تکیۂ کلام "مولوی صاحب" تھا ہر پانچ سات منٹ بعد مولوی صاحب مولوی صاحب کہکر خطاب فرماتے ایک موقعہ پر بے خود ہو کر کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے مولوی صاحب مجھکو صرف تین دن کی حکومت دیدی جائے تو میں ہندوستان کے ان سارے کافروں کو مظلوم مسلمانوں کے خون بہا میں تہہ تیغ کردوں گا۔ پھر ذرا سنبھل کر فرمایا۔ مولوی صاحب میں یہ کوئی جذباتی یا نفسانی تقاضے میں نہیں کہہ رہا ہوں۔ میرے ہاں اُس پر شرعی دلیل موجود ہے۔

سیدنا عمر فاروق رضؓ کو جب یہ اطلاع ملی کہ مُلکِ یمن میں بارہ پندرہ آدمیوں نے مل کر ایک مسلمان کا خون کیا ہے اور قاتل کا پتہ نہیں کہ کون شخص تھا؟ اُس پر سیدنا عمر فاروق رضؓ نے قصاص میں اُن سب کے قتل کا حکم جاری کیا۔ بعض صحابہؓ نے اس فیصلے پر اعتراض کیا کہ ایک شخص کے قتل پر بارہ انسانوں کا قتل کیونکر درست ہے؟

سیدنا عمر فاروق رضؓ نے فرمایا۔ اگر شہر صنعاء (یمن) کے تمام لوگ ایک مسلمان کے قتل پر جمع ہو جاتے تو میں اُن سب کے قتل کا حکم جاری کر دیتا۔

مولوی صاحب اس وقت ہندوستان کے سارے ہندو واجب القتل ہیں واجب القتل ہیں۔ بہرحال مولانا سے اجازت لے کر اپنے ٹھکانے آیا۔ لیکن جب تک لاہور میں قیام رہا ہر جمعہ مولانا کا وعظ سننے جامع مسجد نیلا گنبد جایا

کرتا تھا۔ اَللّٰھُمَّ تَقَبَّلْ حَسَنَاتِہٖ وَارْفَعْ دَرَجَاتِہٖ۔

مفتی محمد حسن صاحب امرتسریؒ

یہ بزرگ حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کے اجلّہ خلفاء میں شمار ہوتے ہیں۔ جامع مسجد نیلا گنبد (لاہور) کے مختصر رقبے میں جامعہ اشرفیہ کے نام سے ایک درس گاہ قائم کی تھی جو بعد میں پاکستان کی عظیم دینی درسگاہ ثابت ہوئی۔ موجودہ دور ۱۹۹۲ء میں فیروز پور روڈ (لاہور) وسیع و عریض احاطہ میں اس کی اپنی شاندار عمارت ہے۔ مولانا محمد حسن صاحب کا تذکرہ طالب علمی دور میں اکثر سنا کرتا تھا خصوصیت سے یہ بات کہ موصوف کے دائیں پیر کے کسی مہلک مرض میں ڈاکٹروں نے ان کے پورے پیر کو کاٹ دیا تھا۔

جب آپریشن کا وقت آیا تو ڈاکٹروں نے انھیں حسبِ معمول بیہوش کرنا چاہا لیکن مولانا اس تجویز پر راضی نہ ہوئے اس کے بعد اپنی تسبیح ہاتھ میں لے لی اور ذکر اللہ میں مشغول ہو گئے۔ ڈاکٹروں نے اسی حالت میں اپنا کام پورا کر لیا۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔

جیسا کہ میں نے گزشتہ اوراق میں بارہا لکھا ہے کہ بزرگوں کی زیارت اور اُن کی خدمت میرا محبوب ترین مشغلہ تھا۔ مفتی محمد حسن صاحب کے اس غائبانہ تعارف کے بعد ۱۹۵۸ء میں لاہور کے اس علمی سفر نے یہ موقعہ بھی فراہم کر دیا۔

مولانا کے ہاں ہر روز بعد نمازِ عصر عمومی مجلس ہوا کرتی تھی، قیام لاہور کے دوران ہر روز اس مجلس میں شرکت کرتا تھا مجلس بڑی پُر وقار ہوا کرتی تھی۔ مولانا بہت کم بولتے تھے بلکہ سکوتِ کامل کی سی کیفیت طاری رہتی تھی۔ ایک صاحب مولانا تھانویؒ کے ملفوظات یا وعظ پڑھ دیا کرتے تھے اور مجلس اسی پر برخواست ہو جاتی۔

یہ تو بعد ہی میں معلوم ہوا کہ بعض بزرگوں کی مجلس قال نہیں حال ہوا کرتی ہے مفتی محمد حسن صاحب رحؒ کی یہ مجلس بھی کچھ اسی قسم کی تھی، مولانا پر ہر وقت ایک حال سا طاری رہا کرتا تھا اور چہرے پر رعب وجلال۔

اَللّٰھُمَّ نَوِّرْ مَضْجَعَہٗ وَبَرِّدْ مَرْقَدَہٗ

مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحؒ

زمانۂ طالب علمی میں جن بزرگوں کی زیارت نصیب رہی ہے اُن میں شیخ العرب والعجم مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحؒ بھی ہیں موصوف، شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب اسیرِ مالٹا کے خصوصی شاگرد اور خادمِ سفر وحضر، جو بعد میں دار العلوم دیوبند کے صدر المدرسین اور شیخ الحدیث رہے ہیں۔

مولانا کو اگر دیکھنے کا موقعہ نہ ملتا تو شاید سلف صالحین کے عادات و اطوار کا مشاہدہ نہ ہوتا، صورت شکل، رفتار وگفتار، لباس وسادگی میں اسلاف کا نمونہ تھے مولانا کے درسِ بخاری شریف میں کئی ایک بار شرکت کی سعادت بھی نصیب رہی ہے اس کے علاوہ مولانا کے دسترخوان پر تناولِ طعام کا بھی شرف حاصل ہوا ہے۔ مولانا کا یہ وسیع وعریض دسترخوان تھا جو ہر معروف وغیر معروف مہمان کیلئے عام تھا۔ ساٹھ ستر مہمان ہر وقت شریکِ دسترخوان رہا کرتے تھے۔ ایک دفعہ حیدرآباد دکن کے ایک نواب صاحب زیارت کے لئے تشریف لائے قدیم حیدرآبادی رسم ورواج کے تحت جُھک جُھک کر ہاتھ کے اشارے سے سلام کرنا، بات بات پر ہاتھ جوڑ کر جی حضور، جی حضور کہنا، ادب واحترام کے ساتھ دو زانو بیٹھے رہنا، نگاہیں نیچی، پست آواز، مولانا مدنی رحؒ کی مجلس میں گویا اپنے آپ کو قید وبند کی شکل میں کر لیا تھا، ماشاء اللہ بھاری بھرکم بدن بھی تھے۔

اثنائے مجلس مولانا مدنیؒ کے ہر ارشاد پر جُھک جُھک کر بجائے حضور بجائے حضور کہتے، مولانا مدنیؒ ان کی خود گرفتاری پر فرماتے نواب صاحب بے تکلف بیٹھ جائیے۔ تو نواب صاحب جی حضور کہکر ادب واحترام میں اور اضافہ ہی کر دیتے۔ کھانے کا وقت آیا نواب صاحب اُسی ادب واحترام کے ساتھ دسترخوان پر بیٹھ گئے، دسترخوان پر مولانا مدنیؒ کی عادتِ شریفہ یہ تھی کہ خود تو برائے نام تناول کرتے مہمانوں کو دسترخوان کی اشیاء پیش کرتے جاتے حتّٰی کہ دسترخوان کا آخری مہمان بھی اس عطاوکرم سے محروم نہ ہوتا تھا۔ مولانا مدنیؒ جب بھی نواب صاحب کو روٹی عنایت کرتے، نواب صاحب نہایت ادب احترام سے بلاتاخیر لے لیتے اور اپنے ہاتھ میں رکھ لیتے پھر تبرکاً ایک آدھ لقمہ چکھتے، جب ہاتھ میں دو چار روٹیاں جمع ہوگئیں تو مولانا مدنیؒ نے فرمایا نواب صاحب تناول کیجئے؟ نواب صاحب نے جی حضور کہہ کر ایک لقمہ لے لیا وبس۔ فراغتِ طعام کے بعد مولانا مدنیؒ نے فرمایا نواب صاحب اب آرام کیجئے؟ بس کہنا ہی تھا کہ اُسی جگہ فوراً لیٹ گئے۔ حاضرین کو نواب صاحب کی یہ نقل وحرکت ایک عجوبہ محسوس ہو رہی تھی لیکن میں قدیم حیدر آبادی تہذیب وتمدن سے محظوظ ہو رہا تھا۔

ایسے ہی مولانا مدنیؒ کی ایک اور مجلس میں شریک تھا عصر کے بعد کا وقت تھا حاضرین کی چائے وبسکٹ سے تواضع کی جا رہی تھی اس وقت باہر کے مہمان کچھ زائد ہی تھے ان میں سیاسی لیڈر بھی تھے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ مولانا مدنیؒ نے آخر وقت تک سیاسی جماعتوں میں کانگریس کا ساتھ دیا ہے اس وقت پاکستان کی مسلم مملکت کو قائم ہوئے۔ دس بارہ سال بھی پورے نہ ہوئے تھے۔

مولانا کی اس مجلس میں کانگریس کی بے وفائی، وعدہ خلافی اور بے رُخی پر بعض جمعیتی علماء تبصرہ کر رہے تھے مولانا مدنی رح خاموش سماعت فرما رہے تھے۔ اس موقعہ پر اچانک ایک چونکا دینے والا انکشاف میرے کانوں نے سُنا اور آنکھوں نے مشاہدہ کیا۔

مولانا مدنی رح فرمانے لگے کانگریس سے ہم نے عرش مانگا تھا لیکن ہمیں فرش دیا گیا۔

پھر رُوئے سخن پھیر کر فرمایا۔ اللہ تعالیٰ مولانا تھانوی رح (مولانا اشرف علی صاحب) کی قبر کو انوارات سے بھر دے اُن کی آنکھیں چالیس سال پہلے آج کا منظر دیکھ رہی تھیں لے

ممکن ہے مولانا مدنی رح کے الفاظ کی نقل میں کچھ تسامح ہو لیکن جہاں تک مفہوم و مقصود کا تعلق ہے انشاء اللہ ایسے ہی تھا جس کو میں نے نقل کر دیا ہے۔ اللّٰھمّ اغفرلہٗ وارحمہٗ

جب میں نے اپنے بعض کانگریسی دوست علماء سے حضرت مدنی رح کا یہ تبصرہ بیان کیا ہے تو ان میں سے بعض نے فوری تردید کر دی اور بعض نے شک و شبہات کی نظروں سے دیکھا۔

وَلِكُلٍّ وِجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا

لیکن میں نے یہ ضرورت نہ سمجھی کہ انھیں اطمینان دلا دوں۔ البتہ ان سطور کے قاری حضرات سے وہی عرض کروں گا جس کی ایک

لے مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رح روزِ اول ہی سے کانگریس کے مخالف تھے اور اسکے لیڈر کو طاغوت کہا کرتے تھے

حکایت اللہ تعالیٰ کی کتاب نے ہم سے بیان کی ہے
اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى الآیۃ (النجم آیت ۱۲)

اَللّٰهُمَّ اهْدِنَا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ

مولانا مدنیؒ کا سنِ وفات ۱۹۵۸ء ہے یہی سال ہماری تعلیمی فراغت کا تھا شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ درسِ بخاری دے رہے تھے ایک صاحب نے دیوبند سے آکر شیخ الحدیث کو اطلاع دی کہ حضرت مدنیؒ کا انتقال ہوگیا ہے۔ شیخ الحدیث نے درس بند کیا اور طلبہ سے فرمایا۔ پیارو! حضرت مدنیؒ کا انتقال ہوگیا ہے۔ آؤ سب مل کر دُعا کریں، دُعا کے بعد شیخ الحدیث دیوبند کیلئے روانہ ہو گئے طلبہ بھی تیزی سے اسٹیشن پہنچے۔ اسپیشل ٹرین تیار کھڑی تھی، راقم السطور بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ دیوبند پہنچا۔

دیوبند میدانِ حشر کا منظر پیش کر رہا تھا ہر جانب سے سینکڑوں قافلے چلے آرہے تھے۔ دارالحدیث اور دارالتفسیر میں ہزاروں لوگ قرآن خوانی میں مشغول تھے تدفین رات دیر گئے ہوئی اس وقت تک اکیس ۲۱ ہزار قرآن شریف کے ختم ہوچکے تھے یہ سلسلہ تین یوم تک جاری رہا بعد میں معلوم ہوا کہ چالیس ۴۰ ہزار سے زائد ختم قرآن کی سعادت شیخ مدنیؒ کو نصیب رہی ہے۔ اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْهُ وَارْحَمْهُ وَاَكْرِمْ نُزُلَهٗ وَوَسِّعْ مُدْخَلَهٗ

خادم الکتاب والسنۃ

عبد الرحمٰن غفرلہٗ

جدہ، سعودی عرب۔ ۲۸ محرم الحرام ۱۴۱۳ھ